پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

خلافت راشدہ اور خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم

میرے نزدیک اسلام کی زندگی میں پیش آنے والے تمام ادوار و مراحل کی نمائندگی خلافتِ راشدہ کے اس مختصر سے دور میں (جو ۳۰ سال سے متجاوز نہیں) کردی گئی ہے، اور ہر آنے والے ناگزیر دور کے لیے اس میں رہنمائی کا سامان ہے، آغازِ کار اور اقبال و ترقی کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان اور ایمان و یقین کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کی رہنمائی ہم کو ابوبکر صدیقؓ کی حیات طیبہ اور خلافتِ راشدہ سے حاصل ہوتی ہے، عروج و شباب اور امن و نظام کے زمانہ میں کس استقامت اور ایمان و یقین کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کی رہنمائی ہم کو فاروق اعظمؓ کے دورِ خلافت سے ملتی ہے، مخالفتوں، شورشوں اور فتنوں اور بے نظمی اور انتشار کے وقت کس ثبات و استقامت، کس پامردی اور دلیری اور کس ایمان و یقین کی ضرورت ہے، اس کا نمونہ ہم کو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی زندگی میں ملتا ہے، اگر اسلامی تاریخ کے ذخیرہ میں صرف خلافت راشدہ کے دو باب (جو دراصل ایک ہی باب کی دو فصلیں ہیں) اور صرف خلافتِ صدیقی اور خلافتِ فاروقی کا نمونہ ہوتو یہ رہنمائی ناتمام ہوتی، اور دورِ انتشار اور دورِ فتن کے لیے مسلمانوں کے پاس تقلید و اتباع کے لیے کوئی امام اور پیشوا نہ ہوتا، جس امت کے لیے قیامت تک باقی رہنے اور تمام انسانی ادوار اور تاریخ کے نشیب و فراز سے گزرنا مقدر تھا، اس کے لیے دونوں طرح کے نمونوں کی ضرورت تھی، اور خلافت راشدہ نے اپنے پورے اجزاء کے ساتھ ان نمونوں کو فراہم اور اس رہنمائی کو مکمل کردیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عن أبی بکر وعمر وعثمان وعلی وأرضاهم وأکرمهم وجزاهم عن الإسلام وعن هذه الأمة خیر الجزاء۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

سالانہ زرتعاون ₹400

۲۵ ستمبر ۲۰۱۹ء

فی شمارہ ₹20

شعروادب

حقیقت خرافات میں کھوگئی

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

زمانے کے انداز بدلے گئے
نیا راگ ہے، ساز بدلے گئے

ہوا اس طرح فاش رازِ فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ بازِ فرنگ

پرانی سیاست گری خوار ہے
زمیں میر و سلطاں سے بیزار ہے

گیا دَورِ سرمایہ داری گیا
تماشا دکھا کر مداری گیا

گراں خواب چینی سنبھلنے لگے
ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے

دلِ طورِ سینا و فاراں دونیم
تجلی کا پھر منتظر ہے کلیمؑ

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش
مگر دل ابھی تک ہے زنّار پوش

تمدن، تصوف، شریعت، کلام
بتانِ عجم کے پجاری تمام

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب

بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا
لغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا

وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
محبت میں یکتا، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

☆☆☆☆☆

اداریہ

ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

شمس الحق ندوی

ہم غور کرتے ہیں تو یہ نا قابل انکار اور روز روشن کی طرح عیاں حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو تو پیدائشی اور فطری ہے جو ہر انسان میں یکساں پایا جاتا ہے اور از خود اس پہلو کو اپنانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، کسی تحریک وترغیب اور دعوت وتشویق کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں پیش آتی، انسان اس کو از خود اپناتا اور اس کے تقاضے کو پورا کرتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح پانی ڈھال کی طرف بہتا ہے یا پودا اوپر کی طرف بڑھتا ہے، یہ پہلو ہے انسان کی طبعی ضروریات وبشری تقاضوں کا جیسے کھانے پینے اور زندگی گزارنے کے دوسرے اسباب ووسائل کے حصول کا فکر مند ہونا اور اس کے لیے بلا کسی دعوت وترغیب کے کوشش کرنا، زندگی کا یہ پہلو مومن وکافر سب کے لیے یکساں ہے، اس میں کفر وایمان کا کوئی فرق وامتیاز نہیں، سارے طبعی تقاضے مومن وکافر سب میں یکساں پائے جاتے ہیں، یہ وہ پہلو ہے کہ اس کے لیے کوئی ادارہ قائم کرنے، لوگوں کو کمانے اور حصول رزق کے لیے دیگر اسباب معاش کو اپنانے کے لیے کوئی تحریک چلانے کی ضرورت نہیں، اس کا احساس وجذبہ انسان میں پیدائشی پایا جاتا ہے، ہر انسان از خود اس پر عمل کرتا ہے۔

دوسرا پہلو ایمان کا پہلو ہے، یہ خاص ہے مومن بندوں کے ساتھ، اس پہلو کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق سے احکام لے اور اس پر عمل کرے، انسان حلال وحرام میں تمیز کرے، معاش کے لیے حصول کا طریقہ کیا ہو؟ کن طریقوں سے جائز ودرست ہے؟ اور کن طریقوں کو اپنانے سے اسلامی غیرت وحمیت کو ٹھیس پہنچتی ہے؟ انسان کی زندگی کا مقصد اصلی کیا ہے؟ ایک انسان کا دوسرے انسان پر کیا حق ہے؟ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرے، لین دین، کاروبار، گھر اور بازار میں کس طرح رہے، باپ ہے تو اولاد کی تعلیم وتربیت کی اس پر کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اولاد ہے تو ماں باپ کے اس پر کیا حقوق ہیں؟ شوہر ہے تو بیوی کے ساتھ کیا سلوک کرے، بیوی ہے تو شوہر کے حقوق کا کس طرح پاس ولحاظ کرے، حاکم ہے تو محکوم پر کیسی شفقت وعنایت کا معاملہ کرے، محکوم ہے تو آقا کے حکموں کی بجا آوری میں کیسا مستعد رہے؟ غرض یہ کہ پورے نظام معاشرت میں اس کا کیا کردار ہو، زندگی کے ہر ہر عمل میں اپنے خالق ومالک کی رضاجوئی وخوشنودی کا کیسا خیال رکھے، انسانی حقوق کا معاملہ ہو تو جو اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی، "لا یؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه مايحب لنفسه" دوسروں کے دکھ درد میں کام آئے، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کرے، یہ وہ انسانی قدریں ہیں جن کی دعوت وتبلیغ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اسی میں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا راز پنہاں ہے، اس کی ذات سے اور قول وعمل سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے، "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" انبیاء کرام اس دوسرے ہی پہلو کا شعور بیدار کرنے اور جگ ریت میں بدمست وکھوئے ہوئے انسانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے آتے ہیں، کہ جب جب انسان زندگی کے پہلے رخ پر لگ کر ایمان کے پہلو سے غافل ہوا ہے، دنیا میں بڑا فساد وبگاڑ پیدا ہوا ہے، اور اس کی پاداش میں بڑی بڑی قومیں اور صاحب سطوت وجبروت بادشاہتیں حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں، قرآن کریم نے ایسے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں کہ سجا سجایا ملک چھوڑ کر وہ آن کی آن میں غائب ہوگئے، کسی وصیت وہدایت کا بھی موقع نہ ملا، فرعون ونمرود کا واقعہ سب جانتے ہیں، قوم عاد وثمود جیسی زبردست قوموں کی بربادی کا حال کسے نہیں معلوم کہ منٹوں میں کھجور کے تنوں کی طرح ڈھیر تھے، "كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ" [حاقہ: ۷] دوسرے پہلو کی طرف

توجہ دینا اور انسانوں میں اس کا شعور پیدا کرنا اب یہ امت مسلمہ کے ذمہ ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد یہی امت دعوت ہے، اگر یہ امت اپنے دعوتی کام کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے ساتھ مادیت کی ریس میں شامل ہو جاتی ہے تو نہ صرف اس کا اپنا وجود و تشخص ختم ہو جائے گا بلکہ دنیا نہایت ہیبت ناک حالات سے دوچار ہوگی، فکر و تشویش کی بات نہیں کہ دنیا میں مادیت کا غلبہ بڑھ گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں اخلاقی انارکی اور افراتفری کا عالم بپا ہے۔

بلکہ فکر و تشویش کی بات یہ ہے کہ جو امت اس عالم کی محاسب و نگراں تھی وہ بھی اپنا کام چھوڑ کر مادیت کے سیلاب میں بہی چلی جارہی ہے، غزوۂ بدر کے موقع پر انتہائی اضطرار و اضطراب کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ "اللّٰهم ان تهلك هذه العصابة لن تعبد" (اے خدا! گر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو کبھی تیری عبادت نہ ہوگی)، اس بات کا صاف اعلان ہے کہ اس امت کا وجود قافلۂ انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے لیے ہوا ہے، شور ہے کہ مسلمان سارے عالم میں مظلوم و مقہور ہیں، مسلمان قوم اس ظلم و قہر سے نہ مٹی ہے نہ مٹ سکتی ہے، اس کی بقاء و فنا کا انحصار اس کے اپنے کیریکٹر اور اور تشخص و امتیاز پر ہے، اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس قوم کا سواد اعظم اپنی اصل ذمہ داری یعنی زندگی کے ایمانی پہلو کے تقاضوں کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے ساتھ زندگی کے پہلے رخ پر چل پڑا ہے، خصوصاً اس کے لیڈر اور سربراہ بری طرح اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور ہوش و خرد اس حد تک کھو چکے ہیں کہ کچھ سننے سنانے کے لیے تیار نہیں، وہ ہر سودا کرنے کے لیے تیار ہیں، ان کو عہدہ اور منصب ملنا چاہیے۔

امت مسلمہ بہت زخم کھا چکی ہے، اب اس کو بیدار ہونا چاہیے اور اپنی صلاحیتوں کو مقصد اصلی میں استعمال کرنا چاہیے، یہ قوم دشمنوں کے مارنے سے نہ مرے گی بلکہ اپنی ایمانی اور اخلاقی موت سے مرے گی، ہم کو اس کی فکر کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کو اخلاقی اور ایمانی موت سے بچائیں اور ان کے اخلاق و کردار کا معیار اتنا اونچا کر دیں کہ نظر پڑتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ ٹکسال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھلے ہوئے سکے ہیں، جن کا کوئی ثانی نہیں، وہی معراج انسانیت ہیں، وہی فلاح دارین کی ضمانت ہیں، کاش مسلمان اپنے اس مقام بلند کو سمجھتے، اور اقبال نے اپنے چند اشعار میں ان کی جس حقیقت کو بیان کر دیا ہے اس کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے اور اپنے معمار جہاں ہونے کا ثبوت دیتے، ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے ان اشعار کو پڑھئے اور اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے میدان عمل میں اتریئے اور اس رزق کو لات ماریئے جس سے پرواز میں کوتاہی آتی ہے:

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے
جہانِ آب و گل سے عالم جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا ، عدالت کا ، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

☆☆☆☆☆

قدسی جماعت

تاریخ انسانیت میں ایک نئے دور کا آغاز

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مکمل سپردگی

یہ تمام اس ایمان سے پہلے ایک پراگندہ و غیر منظم زندگی گزار رہے تھے، نہ کسی طاقت کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے، نہ کسی ضابطۂ حیات کے پابند تھے، نہ کسی نظام زندگی سے منسلک تھے، وہ خواہشات کے تابع تھے، بغیر سمجھے بوجھے عمل کرتے گمراہیوں میں بھٹکتے پھرتے، اب وہ ایمان اور بندگی کے دائرہ میں اس طرح داخل ہوگئے تھے کہ ان کے لیے اس سے باہر آنا مشکل ہوگیا تھا، انہوں نے اللہ کی شہنشاہیت اور اس کے اقتدار کو تسلیم کرلیا تھا، اور اپنے کو رعایا، بندہ اور مطیع مطلق مان لیا تھا، مکمل طور پر اس کو اپنی قیادت حوالہ کردی تھی، قانونِ الٰہی کو بے چوں و چرا تسلیم کرچکے تھے، اور خواہشات و خودسری سے مکمل طور پر دستبردار ہوگئے تھے، وہ ایسے غلام بن گئے تھے، جو نہ اپنے مال کا مالک ہے، نہ اپنی جان کا، جو مالک کی مرضی اور اجازت کے بغیر ادنیٰ سے ادنیٰ تصرف بھی نہیں کرسکتا ہے، ان لوگوں کی صلح و جنگ، دشمنی و دوستی، خوشی و ناراضگی، عطاو محرومی اور صلہ رحمی و قطع رحمی سب اللہ کے حکم کے تابع بن چکی تھی، جو کچھ بھی کرتے، اس کے حکم کے موافق کرتے، وہ لوگ جاہلیت سے خوب واقف تھے، اس میں پلے بڑھے تھے، اس وجہ سے اسلام کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کو خوب معلوم تھا کہ اسلام نام ہے ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف منتقل ہونے کا، ایک طرف بندوں کا راج یا صرف نراج ہے، دوسری طرف خدا کی حکومت ہے، کل تک خدا سے جنگ تھی، اور اس کے قانون سے کش مکش، اب مکمل اطاعت و سپردگی اور دائمی صلح و آشتی ہے، کل تک صرف خودی تھی، اب صرف خدا کی بندگی، جب اسلام کو اختیار کرلیا تو اب خودرائی اور خودسری کا کوئی کام نہیں، اب حکمِ خداوندی سے سرتابی اور قانونِ الٰہی سے بغاوت کی کوئی گنجائش نہیں، خدا کے حکم کے بعد اختیار باقی نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت اور اس سے حجت و بحث کا کوئی موقع نہیں، نہ غیر اللہ کے سامنے مقدمہ جاسکتا ہے، اور نہ اپنی رائے کے مطابق فیصلہ ہوسکتا ہے، نہ دین کے مقابلہ میں رسم و رواج کی پابندی ہوسکتی ہے، نہ نفس پرستی باقی رہ سکتی ہے، جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے جاہلی زندگی کو اس کی تمام خصوصیات، عادات اور رسوم کے ساتھ ترک کر دیا اور اسلام کو پوری خصوصیات، متعلقات اور لوازم کے ساتھ اختیار کیا اس سے ان کی زندگی میں بلاتاخیر مکمل انقلاب رونما ہوگیا۔

فضالہ بن عمیر بن ملوح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا ارادہ کیا، آپ خانۂ کعبہ کا طواف کررہے تھے، جب فضالہ آپ کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون؟ فضالہ! انہوں نے جواب دیا ہاں فضالہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کیا سوچ کر آئے تھے؟ کہنے لگے نہیں کچھ نہیں، اللہ کو یاد کررہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے پھر فرمایا اللہ سے توبہ کرو پھر اپنا دست مبارک ان کے سینہ پر رکھا اور ان کا قلب پرسکون ہوگیا، فضالہ کہا کرتے تھے آپ کا ہاتھ جیسے ہی سینہ سے اٹھا آپ مجھ کو ایسے محبوب لگنے لگے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ کوئی محبوب چیز پیدا ہی نہیں کی، فضالہ کہتے ہیں میں گھر لوٹا تو راستہ میں وہ عورت ملی جس سے دل لگی کیا کرتا تھا اس نے کہا آؤ باتیں کریں، میں نے کہا اللہ کی اطاعت اور اسلام کے بعد اب اس کا کوئی امکان نہیں۔ [زادالمعاد: ج۲/ص۲۳۲]

صحیح معرفت

انبیاء علیہم السلام نے انسان کو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کا صحیح اور یقینی علم عطا کیا تھا اس عالم کی ابتدا وانتہا اور موت کے بعد انسان کا جس سے سابقہ پڑنے والا ہے اس سب کا علم انبیاءؑ کے ذریعہ انسانوں تک بے محنت و مشقت پہنچا تھا، انبیاء علیہم السلام نے ایسے علوم میں ان کی رہنمائی کی جن کے اصول ومبادی بھی ان کو حاصل نہ تھے، جن پر یہ انسان اپنی تحقیق کی عمارت قائم کرسکتا، انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کے وقت اور قوت کو بچالیا اور مابعد الطبیعیات و مسائل الٰہیات کی اس لاحاصل تلاش وتحقیق سے فرصت دی جس میں نہ ان کے حواس کام دے سکتے تھے، نہ نظر رستہ پاسکتی تھی، نہ ان کے پاس اس کے بنیادی معلومات ہی موجود تھے۔

لیکن لوگوں نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا ایک بے ضرورت مہم اپنے سرلی، ان حقائق کو جو انبیاء

علیہم السلام کے ذریعہ ان کو بے محنت حاصل ہو گئے تھے، از سرِ نو تحقیق شروع کی اور ان نامعلوم خطوں میں سفر کی ابتدا کی جہاں ان کے ساتھ نہ کوئی رہبر تھا اور نہ کوئی ان کی راہوں سے باخبر، وہ اس معاملہ میں اس سیاح سے بھی زیادہ بدقسمت اور فضول پسند ثابت ہوئے جو ان معلومات و تحقیقات پر قانع نہیں جو جغرافیہ اور نقشہ جات کی شکل میں نسلوں اور صدیوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ پہاڑوں کی بلند اور سمندروں کی گہرائی کی از سر نو پیائش کرے، صحراؤں، فاصلوں اور حدود کو اپنی اس مختصر عمر، اور محدود وسائل کے ساتھ دوبارہ منضبط کرے اس آدمی کی محنت کا انجام اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ تھک کر رہ جائے، اس کا عزم جواب دے جائے، اور وہ شخص صرف چند یادداشتوں اور نا تمام اشاروں کا سرمایہ جمع کر سکے، اس سے بڑھ کر جن لوگوں نے الٰہیات کے میدان میں بصیرت اور روشنی کے بغیر قدم رکھا ان کو اس علم میں سوائے متضاد آراء، ادھوری معلومات، اتفاقی خیالات اور عجلت کے نظریات کے کچھ ہاتھ نہ لگا، خود راہ کھو بیٹھے اور دوسروں کی بھی منزل کھوٹی کی۔

صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) دین کے بارے میں بڑے خوش قسمت اور صاحب توفیق تھے کہ دین کے بارے میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم واطلاع پر پورا اعتماد کیا اور ذات وصفات کے بارے میں "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کی سعی لاحاصل سے محفوظ رہے، انہوں نے اپنی ذکاوت وطاقت کو محفوظ رکھا اور اپنی جدوجہد اور کوشش اور اپنے اوقات کو پوری احتیاط کے ساتھ دین ودنیا کے مفید میدانوں میں صرف کیا، وہ دین کے مضبوط حلقہ کو تھامے رہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر دوسروں کے پاس دین کے متعلقات وتفصیلات تھے، تو ان کے پاس دین کا مغز اور اس کا لب لباب تھا۔

انسانی گلدستہ

اللہ ورسولؐ اور یوم آخرت پر ایمان اور کامل سپردگی نے زندگی سے پیچ وخم کو دور کر دیا اور انسانی خاندان کے ہر فرد کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، انسانی معاشرہ ایک بے خار گلدستہ بن گیا، جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لیے باعث زینت تھی۔

نوعِ انسانی کے افراد ایک خاندان میں تبدیل ہوگئے، وہ سب ایک باپ (آدمؑ) کی اولاد تھے، اور آدم کی اصل مٹی سے ہے، نہ کسی عرب کو کسی عجمی پر فضیلت تھی اور نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر فوقیت تھی، ہاں اگر کسی کو کسی پر فضیلت تھی تو محض تقویٰ کی بنا پر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اے لوگو! بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کے عیب کو دور فرما دیا اور آباء واجداد پر فخر کرنے کی رسم ختم کردی، انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں نیک اور خدا سے ڈرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں شریف دوسرے بدعمل بدبخت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلیل"۔[ابن ابی حاتم]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "دیکھو تم کسی سے نہ بہتر ہو اور نہ بڑے، ہاں اگر تقویٰ میں بڑھ جاؤ" (تو بے شک ہو)۔

آپ جب اپنے رب سے رات کے آخری حصہ میں مناجات کرتے تھے، تو فرماتے تھے: "میں گواہ ہوں کہ تمام بندے بھائی بھائی ہیں"۔[ابوداؤد]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کا پورا پورا استیصال کر دیا تھا اور اس کے داخلہ کے تمام روزن بند کر دیئے تھے۔ فرمایا: "جو عصبیت کا علمبردار ہو وہ ہم میں سے نہیں، اور جو عصبیت پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر ہو وہ بھی ہم میں سے نہیں"۔[ابوداؤد]

جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے، ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کچھ کہہ دیا اور انصاری پکار اٹھا "انصاریو!" اور مہاجر پکار اٹھا "مہاجرو!" تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چھوڑو اس جتھے بندی کے نعروں کو، یہ نجس ہے۔[صحیح بخاری]

آپ نے جاہلی حمیت کو ناجائز قرار دیا اور مدد وتعاون کے اس جاہلی اصول کو بدل دیا جس پر ساری زندگی چل رہی تھی کہ اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنے لوگوں کی باطل پر مدد کی تو وہ اس اونٹ کی مثال ہے جو کنوئیں میں گرنا چاہتا ہے، اور لوگ اس کو دم سے پکڑ پکڑ کر روکتے ہوں" [تفسیر ابن کثیر]، عربوں کی نفسیات اور ذہنیت ایسی تبدیل ہوگئی کہ اب ان کا ذوق اس مشہور مثل کو ہضم نہ کر پاتا تھا، جب نبی کریم نے ایک بار یہ فرمایا: "اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم" تو صحابۂ کرامؓ خاموش نہ رہ سکے اور بے ساختہ بولے کہ یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو بے شک کی جائے مگر ظالم کی مدد کیسے کی جائے، آپ نے فرمایا: "اس کو ظلم سے روکو یہی اس کی مدد ہے"۔ [بخاری ومسلم]

اسلامی معاشرے میں مختلف طبقے شیر وشکر ہو گئے تھے، وہ ایک دوسرے کا سہارا بن گئے تھے، اب وہ ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار نہیں تھے، مرد عورتوں کے ذمہ دار و منتظم تھے، عورتیں نیک، وفا شعار اور امانت دار تھیں، ان کے حقوق مردوں پر تھے، اور مردوں کے حقوق ان پر تھے۔

ذمہ دار معاشرہ

پورے معاشرے میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگیا تھا، اب انسانی معاشرہ (سوسائٹی) ایک مجبور و بے اختیار اور مفلوج و معطل جماعت نہ تھی جو نہ اپنے دماغ سے کام لے سکتی ہے نہ اپنے اختیار سے، اس کی عقل وبلوغ اور اس کا اختیار تسلیم کیا جا چکا تھا، اس کا ہر فرد ایک ذمہ دار با اختیار شخص تھا، جو اپنے اپنے دائرہ میں صاحب اختیار و ذمہ دار تھا، آدمی اپنے گھر کا سرپرست اور ذمہ دار ہوتا تھا، عورت اپنے شوہر کے گھر کی منتظم اور ماتحتوں کے متعلق جواب دہ تھی، ملازم اپنے مالک کے مال میں ذمہ دار اور اس ذمہ داری کا جواب دہ تھا، اس طرح اسلامی معاشرہ ایک ذی ہوش اور صاحب اختیار معاشرہ تھا جو اپنے اعمال کا جواب دہ تھا۔

تمام مسلمان حق کے مددگار بن گئے تھے، ان کا کام مشورہ سے ہوتا، خلیفہ جب تک خدا کا مطیع رہتا وہ اس کے مطیع ہوتے اور اگر نافرمانی کرتا تو اطاعت باقی نہ رہتی، حکومت کا شعار "لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" بن گیا تھا، یعنی خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں وہ مال اور خزانے جو سلاطین اور رئیسوں کا لقمۂ تر اور امراء کی ذاتی جائداد سمجھے جاتے تھے، اب اللہ کی امانت سمجھے جانے لگے تھے، اس کی رضا میں خرچ اور صحیح محل پر صرف کیے جاتے، اور مسلمان اس دولت کے امین اور متولی تھے، خلیفہ کی مثال یتیم کے سرپرست کی سی تھی، اگر صاحب استطاعت ہوتا تو احتیاط کرتا اور اگر حاجت مند ہوتا تو بقدر ضرورت لیتا، اللہ کی وہ زمین جس کو سلاطین و امراء نے اپنی جاگیر سمجھ لیا تھا، جس کے لیے چاہتے وسعت دیتے تھے، اور جس پر چاہتے تنگ کر دیتے تھے، اور بعض اس میں کپڑے کی طرح کتر بیونت کرتے تھے، اب اللہ کی زمین تھی، جس کے متعلق ایک ایک بالشت کا حساب دینا تھا۔

صاحب ضمیر معاشرہ

انسانی سوسائٹی مدت سے اپنا ارادہ و اختیار اور ذوق ونشاط کھو چکی تھی، وہ ایک گھٹی گھٹی سی سوسائٹی بن کر رہ گئی تھی وہ ایک مجبور و مقہور جماعت تھی جس کی نہ جنگ کے بارے میں رائے لی جاتی تھی نہ صلح کے موقع پر اس کی مرضی معلوم کی جاتی تھی، اس سوسائٹی کے افراد کو قربانی وایثار اور تکالیف کو جھیلنے، مشقتوں سے مقابلہ کرنے پر مجبور کیا جاتا، حالانکہ اس کو نہ تو اس کی خواہش ہوتی اور نہ اس سے کچھ فائدہ، نہ وہ افسروں کو پسند کرتے اور نہ افسران ان کو، وہ مجبور تھے کہ اس کی اطاعت کریں، جسے وہ ناپسند کرتے ہوں اور اپنی جان و مال کو اس پر قربان کریں جس سے وہ نفرت کرتے ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دلوں کی چنگاری بجھ گئی، جذبات سرد پڑ گئے، اور لوگوں کا اٹھان، ریا اور فریب پر ہوا، توہین وحقارت اور ذلت کے برداشت کی طبیعتیں عادی ہوگئیں۔

محبت کا صحیح مصرف

وہ فطری عنصر جن کے سر انسانیت کے اکثر عجوبۂ روزگار اور حیرت انگیز کارناموں کا سہرا ہے جس کو لوگ "محبت" سے یاد کرتے ہیں، عرصہ سے حقیر اور مردہ تھا، صدیوں سے کوئی اس کو کام میں لگانے والا اور اس سے حقیقی فائدہ اٹھانے والا پیدا نہیں ہوا تھا، بس وہ چمک دمک اور حسن و جمال کے فانی مظاہر کی نذر ہو کر رہ گیا تھا، عرصہ سے دنیا میں کوئی ایسا انسان نہیں پیدا ہوا تھا، جو اپنے جمال و کمال اور اپنی اعلیٰ صفات سے ساری انسانیت کی محبت کا مستحق ہو اور اپنی طاقت و دل آویز شخصیت سے اس محبت سے کام لے سکے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں انسانیت کو وہ گم شدہ دولت مل گئی، آپ وہ انسان تھے جن کو اللہ نے مجموعۂ خوبی بنایا تھا، دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ آپ کو جو اچانک دیکھتا مرعوب ہو جاتا، اور جو آپ سے ملتا جلتا وہ فریفتہ ہو جاتا، آپ کا تعریف کرنے والا کہتا، آپ جیسا نہ آپ سے قبل دیکھنے میں آیا اور نہ آپ کے بعد، آپ کے آنے کے بعد سچی اور پاک محبت کا بند چشمہ ابل پڑا، نفوس وقلوب اس طرح کھنچے جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے، گویا کہ طبیعتیں اور دل پہلے سے آپ کے منتظر اور آپ کے لیے بیتاب تھے، آپ کی امت کے افراد نے آپ سے ایسی محبت اور ایسی طاعت کی ہے جس کی مثال عشاق اور اہل محبت کی تاریخ میں سننے میں نہیں آئی، آپ کی اطاعت وتابعداری میں اپنے آپ کو بالکل مٹا دینے، اور گھر بار مال و دولت لٹا دینے کے ایسے واقعات پیش آئے جو نہ آپ سے قبل پیش آئے تھے اور نہ آئندہ ان کی امید ہے۔

محبت وجاں نثاری

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد ان پر مکہ میں ایک روز دشمنوں نے حملہ کر دیا، عتبہ بن ربیعہ نے اس قدر مارا کہ آپ کا چہرہ سوج گیا حتی کہ شناخت تک مشکل ہوگئی تھی،

بنوتمیم حضرت ابوبکر کو کپڑے میں لپیٹ کر ان کے گھر اٹھا لے گئے، ان کو آپ کی موت میں ذرا شک نہ تھا، آپ کو دن چھپتے ہوئے ہوش آیا تو سب سے پہلے بولے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں کو اس پر بڑا غصہ آیا کہ اس حالت میں بھی آپ انہیں کو یاد کرتے ہیں جن کی وجہ سے یہ حال ہوا، وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگے، انہوں نے ان کی ماں ام الخیر سے کہا کہ دیکھو ان کو کچھ کھلا پلا دو، انہوں نے کچھ کھانے کے لیے اصرار کیا، آپ برابر کہتے رہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟“ انہوں نے جواب دیا، بخدا مجھے تمہارے ساتھی کا کچھ علم نہیں، انہوں نے کہا تو ”خطاب کی بیٹی ام جمیل کے پاس جاؤ اور آپؐ کی خیریت دریافت کر کے مجھے بتاؤ“ وہ ام جمیل کے پاس آئیں اور کہا کہ ”ابوبکر محمد بن عبداللہ کے متعلق پوچھتے ہیں“ انہوں نے کہا کہ میں نہ ابوبکر کو پہچانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو، اور اگر تمہاری یہ خواہش ہو کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلوں تو ہوسکتا ہے، انہوں نے کہا: ”ہاں چلو“ وہ ان کے ہمراہ گئیں اور ابوبکر کو پڑا ہوا پایا، اُمّ جمیل ان کے قریب پہنچیں تو ان کا حال دیکھ کر کہا: ”واللہ جس قوم نے تمہارے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے وہ فاسق و کفار ہیں، اور مجھے امید ہے کہ اللہ ان سے تمہارا انتقام لے گا“ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ بولیں کہ تمہاری ماں سنتی ہیں، انہوں نے کہا ان سے کچھ پردہ نہیں“ انہوں نے جواب دیا، بخیر و عافیت ہیں، آپ نے فرمایا: کہاں ہیں؟ وہ بولیں ”دار ابن ارقم میں“ آپ نے فرمایا ”بس تو بخدا میں کھا پی نہیں سکتا، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ جاؤں“ وہ دونوں ذرا رکیں، جب رات ہوئی اور آمد و رفت موقوف ہوئی تو وہ ان کو لے کر نکلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا آپ نے جب حضورؐ کو دیکھ لیا تو جان میں جان آئی اور کھایا پیا۔

[البدایہ والنہایہ، ابن کثیر: ج ۲/ص ۳۰]

ایک انصاری عورتؓ جس کا باپ، بھائی اور شوہر اُحد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، اور شہید ہوگئے تھے، قیام گاہ سے نکلی اور پوچھنے لگی: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟“ لوگوں نے کہا: ”بحمد اللہ عافیت سے ہیں جیسا تم چاہتی ہو“ اس نے کہا: ”مجھے دکھاؤ، میں آپ کو دیکھنا چاہتی ہوں“ اس نے جب آپ کو دیکھ لیا تو بولی: ”اگر آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے“۔[ابن اسحاق و بیہقی]

حضرت خبیبؓ کو پھانسی کے تختہ پر چڑھایا گیا، سب کہنے لگے کہو یہ پسند ہے کہ محمد تمہاری جگہ ہوں؟ انہوں نے کہا خدائے تعالیٰ کی قسم میں اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آپؐ کے پیر میں کانٹا چبھے اور میں چھوڑ دیا جاؤں، وہ سب ہنس دیے۔

[البدایہ والنہایہ: ج۴/ص ۶۳]

زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ احد کے روز رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے سعد بن ربیع کی تلاش میں بھیجا اور مجھ سے فرمایا، ان کو اگر دیکھو تو میرا سلام کہو اور کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ اپنے کو کیسا پاتے ہو، کہتے ہیں کہ میں مقتولین میں چکر لگانے لگا، پھر ان کے پاس پہنچا، ان کا آخری وقت تھا، اور ان کے جسم پر تیر و تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے، میں نے ان سے کہا ”اے سعد! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو سلام کہتے ہیں، اور دریافت فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟“ انہوں نے کہا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کہو، اور آپ سے کہہ دو یا رسول اللہؐ! جنت کی خوشبو پا رہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہہ دو کہ اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کچھ ہوگیا اس حال میں کہ تم میں ایک آنکھ بھی حرکت کر سکتی ہو تو اللہ کے یہاں تمہارا کوئی عذر نہیں اور اسی وقت روح پرواز کر گئی۔

[زاد المعاد: ج۲/ص ۱۳۴]

احد کے روز ابو دجانہ نے اپنی پیٹھ کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ڈھال بنا دیا تھا، تیر اس پر لگتے تھے، اور وہ حرکت نہ کرتے [ایضاً: ۱۳۰]، مالک الخدری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم چوس کر صاف کر دیا تھا، ان سے آپ نے فرمایا تھوک دو انہوں نے کہا: بخدا! میں کبھی بھی نہ تھوکوں گا“۔[ایضاً: ۱۳۴]

ابوسفیان جب مدینہ آئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے پاس پہنچے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنا چاہا تو انہوں نے اس کو لپیٹ دیا، انہوں نے کہا اے بیٹی! مجھے خبر نہیں کہ تم نے بستر میرے لائق نہ سمجھا، یا مجھ کو اس کے لائق نہ سمجھا، انہوں نے کہا نہیں، بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے، اور تم مشرک نجس ہو“۔[سیرۃ ابن ہشام]

عروہ بن مسعود ثقفی نے حدیبیہ سے واپسی کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہا: ”اے لوگو! بخدا میں سلاطین کے یہاں گیا، کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے، خدا کی قسم میں نے ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے ساتھی اس کی اتنی عزت کرتے ہوں جتنی محمدؐ کے ساتھی محمدؐ کی، خدا کی قسم

جب بھی وہ تھوکتے ہیں، اور وہ ان میں سے کسی شخص کے ہاتھ پر گرتا ہے تو وہ اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتا ہے، اور جب وہ ان کو حکم دیتے ہیں تو وہ سب ان کے حکم پر لپکتے ہیں، اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اس کے پانی پر لڑتے لڑتے رہ جاتے ہیں، اور جب بات کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور وہ لوگ فرطِ ادب سے آپؐ پر گہری نظر نہیں ڈال سکتے۔

[زادالمعاد: ج ۲/ص ۱۲۵]

اطاعت و تابعداری

اطاعت و تابعداری محبت کا لازمی نتیجہ ہے، جب صحابۂ کرامؓ محبت کی دولت سے مالا مال ہوئے تو انہوں نے اپنی ساری طاقت آپؐ کی اطاعت میں صرف کر دی اس کی بہترین مثال سعد بن معاذ کا وہ قول ہے جو انہوں نے اپنی اور جماعت انصار کی جانب سے بدر سے قبل کہا تھا:

''میں انصار کی طرف سے شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں، اور ان کی جانب سے جواب بھی دیتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں مقیم ہوں، جس کا تعلق چاہیں قائم رکھیں اور جس کا چاہیں توڑ دیں، اور ہمارے مال و دولت سے جو چاہیں لے لیں اور جو چاہیں دے دیں، جو کچھ کہ آپ ہم سے لے لیں گے وہ اس سے زیادہ محبوب ہوگا جو آپ چھوڑ دیں گے اور جس بارے میں جو کچھ حکم فرمائیں گے ہم اس کے تابع ہوں گے، بخدا اگر آپ برک غمد ان تک چلے جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ چل پڑیں گے، اور خدا کی قسم اگر آپ سمندر میں گھوڑا ڈال دیں گے تو ہم بھی اس میں کود پڑیں گے۔[زادالمعاد]

ان کی اطاعت کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین شخصوں سے گفتگو ممنوع قرار دی تھی، جو غزوہ تبوک نہ جا سکے تھے تو لوگوں نے آپ کی بات مانی اور مدینہ ان تینوں کے لیے شہر خموشاں بن گیا جہاں کوئی بات کرنے والا اور بات کا جواب دینے والا نہ تھا، کعبؓ کہتے ہیں:

''رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہم تینوں سے گفتگو منع فرما دی تھی، لوگ ہم سے کترانے لگے اور ان کی نگاہیں بدل گئیں، حتی کہ مجھے زمین تنگ محسوس ہونے لگی، گویا وہ زمین ہی نہ تھی جس کو میں جانتا تھا، یہاں تک کہ جب لوگوں کو میرے ساتھ بے رخی بہت بڑھ گئی میں چلا اور ابوقتادہ کی دیوار پھاند کر ان کے باغ میں گھس گیا، یہ ابوقتادہ وہ ہیں جو میرے محبوب چچازاد بھائی تھے، اور میرے سب سے زائد چہیتے تھے، میں نے ان کو سلام کیا بخدا انہوں نے مجھے جواب بھی نہ دیا تو میں نے ان سے کہا اے ابوقتادہ! میں تم کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، کیا تم کو علم ہے کہ میں اللہ و رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں، وہ خاموش رہے، میں نے پھر دہرایا، ان کو واسطہ دیا اور وہ خاموش رہے، میں نے مکرر کہا اور ان کو واسطہ دیا، تو وہ بولے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ علم ہے، میری آنکھیں بھر آئیں اور میں پلٹ پڑا اور دیوار پھاند کر باہر نکل آیا''۔[بخاری و مسلم]

ان کی اطاعت کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ وہ ناراضگی و بے رخی کے ہدف تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد آتا ہے، اور کہتا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیوی سے علاحدہ رہنا'' وہ بولے: ''طلاق دیدوں یا کیا کروں؟'' وہ بولا: ''نہیں! بلکہ الگ رہو ان کے قریب مت جاؤ'' تو انہوں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ، ان ہی کے پاس رہو، حتی کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں کچھ فیصلہ کر دے۔[بخاری و مسلم]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت و تعلق کا یہ حال تھا کہ ہر ایک پر آپ کو ترجیح دیتے تھے، عین اس مقاطعہ کے زمانہ میں غسّان کا بادشاہ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے، اور اپنے دربار کی پیش کش کرتا ہے، اس بے رخی اور عتاب کے زمانہ میں یہ حقیقتاً سخت آزمائش تھی، لیکن وہ رد کر دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ میں مدینہ کے بازار میں چل رہا تھا کہ ان شامی نبطیوں میں سے جو مدینہ میں غلہ فروخت کرنے آتے تھے، ایک نبطی کہتا ہے: ''کعب بن مالک کو کوئی بتا دے'' یہ سن کر لوگ میری جانب اشارے کرنے لگے، اس نے میرے پاس پہنچ کر شاہ غسّان کا ایک خط حوالے کیا، میں پڑھا لکھا تھا، میں نے اس کو پڑھا اس میں تحریر تھا کہ:

''ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ تمہارے آقا نے تم سے بے رخی اختیار کر لی ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو ذلت کے لیے نہیں رکھا اور وہ تم کو ضائع کرنا نہیں چاہتا ہے، بس تم ہم سے مل جاؤ ہم تمہارا بہت خیال کریں گے''۔

میں نے جب پڑھ لیا تو کہا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے، اور میں نے جا کر اسے تنور کی نذر کر دیا۔[ایضاً]

اطاعت اور فوری تعمیل حکم کی ایک مثال وہ واقعہ ہے جو شراب کی حرمت کے حکم کے وقت پیش آیا، حضرت ابو بردہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: ''ہم مجلس میں بیٹھے شراب پی رہے تھے کہ میں اُٹھا.....................

............بقیہ صفحہ ۲۵ ؍ پر

تربیت نبویؐ

اطاعت وتابعداری کا کامل نمونہ

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

دین اسلام جس کو اسلام کا نام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانِ نبوت سے ملا اور اس کو تمام عالم کے لیے اور دنیا باقی رہنے تک تمام انسانوں کے لیے طے کردیا گیا اور اس کے ماننے والوں کو تمام انسانوں کا رہنما اور نگراں بنادیا گیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: ”هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيداً عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ“ [سورہ حج: ۷۸] (اس نے تم کو اور امتوں سے ممتاز فرمایا اور اس نے تم پر دین کے احکام میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر ہمیشہ قائم رہو، اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے، نزول قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ تمہارے قابل شہادت اور معتبر ہونے کے رسول گواہ ہوں اور تم لوگوں پر گواہ ہو، سوتم لوگ نماز کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہو اور اللہ ہی کو مضبوط پکڑے رہو، وہ تمہارا کارساز ہے؛ سو کیا اچھا کارساز ہے اور کیا اچھا مددگار ہے)۔ اور دین کے اعمال یعنی شریعت کو خاتم الرسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل فرمادیا گیا اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم سے پختہ کیا: ”وَمَنْ أَحْسَنُ دِيناً مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لله وَهُوَ مُحْسِنٌ واتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً وَاتَّخَذَ اللّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلاً“ [سورہ نساء: ۱۲۵] (اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا دین کس کا ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ کی طرف جھکادے اور وہ مخلص بھی ہو، اور وہ ملت ابراہیمی کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنایا تھا)۔ دین اسلام کو اس طرح مکمل شریعت بنادیا گیا کہ اس میں آپ کے بعد نہ کوئی ترمیم ہوگی اور نہ کسی نبی بھیجے جانے کی ضرورت ہوگی، فرمایا گیا: ”الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلَامَ دِيناً“ [سورہ مائدۃ: ۳] (آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کرلیا) اس فرمان کے بعد اس دین کی تلقین کے لیے آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کو اس کا نگراں اور معلم بنایا گیا اور اس آسمانی کتاب قرآن مجید کی بقا وحفاظت کو طے بھی فرمادیا گیا: ”إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ“ [سورہ حجر: ۹] (ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) اس طرح اس کتاب کا بقا دین اسلام کے بقا کا ضامن ہوگیا۔

اس بقا کا انتظام اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ بھی کرسکتا تھا اور وہ اپنے ”کن فیکون“ کے حکم سے بھی کرسکتا تھا، لیکن اس نے اس کے لیے جو نظام طے فرمایا وہ انسانوں کو عطا کردہ انسانی صلاحیتوں کے ذریعہ سے عمل کرانے کا طریقہ رکھا، لہٰذا اس دین کے بقا کا نظام انسانوں ہی کی کوشش کے ذریعہ رکھا گیا، جس کے لیے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اور پھر آپ کی تربیت یافتہ جماعت صحابہؓ نے کارنامہ انجام دیا کہ صرف نصف صدی میں اس زمین کے بڑے اور اہم علاقہ میں اسلام کا نمونے کا نظام قائم ہوگیا اور امت اسلامیہ کو غیر معمولی طاقت اور اخلاص عمل کیساتھ دین کی حفاظت کی خدمت انجام دینے کا کامیاب موقع ملا، اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کے بقا کا فیصلہ ہے؛ اس لیے اس کے بقا کے لیے نسلاً بعد نسل لوگوں کو توفیق ملتی رہی۔

اس دین کے بقا کی عظیم خدمت انجام دینے والے لوگ اس دین پر پورے اخلاص سے یقین رکھنے والے اور اس کے خاطر اپنے پورے تن من دھن کی قربانی دینے والے لوگ رہے، اور اس کے بغیر دین اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہ سکتا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سب سے پہلے آپ کے اصحاب نے آپ کی پوری نیابت کرتے ہوئے اس کی اولین خدمت انجام دی، آپ کے ان اصحاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت سے وہ صلاحیت پیدا ہوگئی تھی جو دین کی صحیح حفاظت اور اس کی تقویت کے لیے ضروری تھی، چنانچہ انہوں نے دین کو اس کی معیاری شکل میں نافذ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اصحاب نبوت کے مقام پر تو نہ تھے، کیونکہ نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل کردی گئی تھی، لیکن نبی کے اولین نائب

ثابت ہوئے، جس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائی: "مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاء عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاء بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَبْتَغُونَ فَضْلاً مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَاناً سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْراً عَظِيماً" [سورہ فتح: ۲۹] (محمد (ﷺ) خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل (اے دیکھنے والے) تو ان کو دیکھتا ہے کہ (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں، ان کے یہی اوصاف توریت میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں، وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا، پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلائے جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے)۔

چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ کے ان رفقاء میں سے ہر ایک کامل اطاعت وتابعداری اور مخلصانہ جذبہ کا حامل تھا، اور نبی کے نائب کا فریضہ انجام دیتا تھا، اور اس سلسلہ میں ان کی یہ کارکردگی وہ کارکردگی ہے جس نے اس دین کی خدمت اور حفاظت کا ناقابل شکست سلسلہ قائم کردیا، جس کے لیے تا قیامت امت اسلامیہ ان کی رہین منت رہے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ رفقاء اور اصحاب نبی اعلیٰ ترین ایمانی صفت کے ساتھ اتنی بڑی تعداد میں تیار ہوئے کہ پوری تاریخ انسانی میں اس تابعداری میں ان کی مثال نہیں ملتی، یہ اسلام کا اور اس کے نبی آخر الزماں کے ذریعہ حاصل کردہ معجزہ ہے، ہم کو یہ دین متین پوری صحت کے ساتھ جو ملا اس کا ذریعہ یہ صحابہ کرام ہی ہیں، اگر ان میں کوئی کمزوری یا خلل ہوتا تو اس سے خود دین کے اندر خلل ثابت ہوجاتا جس کا ہونا ناممکن ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور اس وعدہ کا اطلاق ہر اس جزء پر ہوتا ہے جو قرآن مجید کے نزول کا مقصد ہے یعنی صحیح دین کا انسانوں تک پہنچانا۔

جس چیز کی صحت اور حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کیا ہو اسکی حفاظت میں کوئی کمی یا خلل کیسے ہوسکتا ہے، اور اس کے پورا نہ ہونے کی بات کیسے ہوسکتی ہے، لہٰذا خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے انہی صحابۂ کرامؓ کا احسان ہے، اور اس لحاظ سے ان کی عظمت اور ان کی محبت ہم سب کے لیے جزء ایمان بنتی ہے، ان کے سلسلہ میں کوئی بدخیالی ہو یہ ایک مجرمانہ خیال ہے، ہم سب کو یہ حکم ملا ہے کہ حضور ﷺ کو ہم سب اس زندگی کے لیے نمونہ سمجھیں: "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيراً" [سورہ احزاب: ۲۱] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہم کو آپ کے اصحاب کے ذریعہ ہی پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ کی حیات طیبہ کے حالات انہی حضرات کی زبان سے ہم تک پہنچے ہیں، چنانچہ انہی اصحاب کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے پیغام کو ہم جان سکے ہیں اور ان کو نمونہ کو بنا سکتے ہیں، انہوں ہی نے آپ کا نمونہ دیکھا اور اس کے مطابق ہم تک ان کی باتوں کو منتقل کیا، یہ پورا دین جو ہم تک پہنچا وہ انہی کے ذریعہ ہم تک نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہوئے آیا ہے، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وہدایات کو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ ہم کو لینا ہے اور ان کے اس احسان کو ماننا ہے، انہوں نے اس ابدی، عالمی، جامع اور عظیم نمونہ کی باتوں کو تفصیل کیساتھ پوری امانت داری کے ساتھ ہم تک پہنچایا ہے۔

☆☆☆☆☆

کمال اور ختم نبوت

سید المرسلین کا ایک نام خاتم النبیین بھی ہے، ختم نبوت کے معنی بالکل واضح ہیں جب ایک پیام اس قدر جامع ومکمل آچکا کہ اب اس میں کسی ترمیم واضافہ کی گنجائش ہی نہیں باقی، تو کسی جدید پیام کا آنا سرے سے بے معنیٰ ہوجاتا، پیام کی ہمہ گیری کے معنی ہی یہ ہیں کہ آئندہ کے لیے سلسلہ پیام منقطع، عرب کے امی کے لائے ہوئے پیام نے علی الاعلان اپنا دعویٰ ساری دنیا کے سامنے پیش کردیا کہ میں ہر امکانی ضرورت زندگی کے لیے مکمل ہدایت نامہ ہوں، اور آج تک بڑے سے بڑا مخالف بھی اس دعویٰ کو کسی دلیل سے جنبش نہ دے سکا۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

یادرفتگاں

عالم ربانی مولانا محمد یوسف متالا کا سانحۂ ارتحال

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی

اس عالم کی کسی چیز کو بقا و دوام نہیں، لیکن بعض واقعات ایسے پیش آتے ہیں جن کا تعلق کسی ایک خاندان یا ایک فرد سے سے نہیں، بلکہ پورے ملک وملت پر اس کا اثر پڑتا ہے، انہیں ناگہانی واقعات میں عزیز گرامی حضرت مولانا محمد یوسف متالا کا سانحۂ ارتحال ہے، چند دن پیشتر یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ کناڈا کے دورے پر تشریف لے گئے تھے، وہاں دل کا دورہ پڑا ہے اور ایمرجنسی اسپتال میں داخل کیے گئے ہیں، خاص طور پر صاحبزادۂ گرامی حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے سانحۂ ارتحال کا ان کے دل پر بہت اثر رہا ہے، کل سے تقریباً پندرہ بیس مرتبہ کناڈا کے نمبر سے اس ناچیز پر فون آرہا تھا، لیکن آواز کٹ کٹ جارہی تھی، یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کہاں سے فون آرہا ہے، لیکن آج نماز فجر کے بعد عزیز گرامی مولانا محمد یونس گجراتی نے مدینہ منورہ سے فون کیا کہ میں بھی آپ کو فون کررہا ہوں جواب نہیں مل رہا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف متالا کا کل شام کناڈا کے لحاظ سے ۱۰/محرم کی تاریخ تھی، عاشورہ کا دن تھا، سانحۂ انتقال پیش آگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون پورے حلقے پر رنج وغم کا عالم طاری ہے اور آج وہاں کے وقت سے ظہر کے بعد نماز جنازہ ہونے والی ہے، تدفین بھی کناڈا میں طے کی گئی ہے۔

ان حالات کو سننے کے بعد خود اس ناچیز کے دل ودماغ پر اس کا اثر ہے کہ کچھ بھی لکھنے کی ہمت نہیں ہورہی ہے، لیکن ضرورت محسوس ہوئی کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کے تلامذہ وخلفاء میں حضرت مولانا عبد الرحیم متالا اور ان کے چھوٹے بھائی عزیز گرامی مولانا محمد یوسف متالا سے بہت ہی محبت کا رشتہ رہا ہے، یہ دونوں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے باغ کے پھول تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات ان دونوں پر سایہ فگن تھیں، ان کی ذکرو دعاؤں میں خاص لذت وحلاوت تھی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کے حالات یہ ناچیز لکھ چکا ہے، اس وقت تو عزیز گرامی مولانا یوسف متالا کے بارے میں تحریر کررہا ہوں کہ وہ عاشق رسول تھے، ذہین وفطین تھے، قاری وعالم تھے، شیخ کے مزاج شناس تھے، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بڑے بھائی کو زامبیا کی دعوت اور مدرسہ قائم کرنے کے لیے بھیجا، جہاں پر ان کا مدرسہ دعوت وذکر کا مرکز بنا ہوا ہے، اور مولانا یوسف متالا صاحب کو انگلینڈ بھیجا، جہاں ان کا مدرسہ دارالعلوم بری انگلینڈ میں قائم ہے اور اس مدرسہ کے فضلاء نے پورے انگلینڈ، کناڈا، امریکہ اور دوسرے مغربی ملکوں میں جاکر انہوں نے مدارس قائم کیے اور دعوت وارشاد کا کام کررہے ہیں، خانقاہیں بنائیں اور مولانا کی ذات گرامی سے اصلاحی تعلق قائم رکھا۔

اس ناچیز نے تین مرتبہ لندن کا سفر کیا اور تینوں مرتبہ ان کے مدرسہ میں قیام اور بیان کا موقع ملا، آخری سفر گذشتہ سال ختم بخاری کے سلسلے میں ہوا تھا، وہاں کے ذکر کی مجلس میں شرکت اور بیان انہوں نے کرایا تھا، کافی علماء و طلبہ اس مجلس ذکر میں شریک تھے۔

اسی طریقے سے یہ معلوم ہوا کہ دورۂ حدیث میں ہر سال چالیس، پینتالیس طلبہ فارغ ہوتے ہیں، ان کے علاوہ چار یا پانچ مدارس بنات کے بھی قائم کیے ہیں، جن میں بعض مدارس میں جاکر ختم بخاری کرایا اور بعضوں کے لیے میرے بیان کو ٹیپ کراکے بھجوایا، بہت نورانی منظر تھا، افسوس کہ اس سال بھی انہوں نے لندن کے سفر کی دعوت دی تھی لیکن حاضری ممکن نہ ہوسکی۔

انہوں نے اپنے پیچھے کئی تالیفات چھوڑی ہیں، خاص طور پر قرآن پاک کا ترجمہ، مختصر تفسیر سادہ انداز میں جو بہت ہی مفید ہے۔ سب سے بڑی یادگار ان کا دارالعلوم بری انگلینڈ ہے جس کی معاونت میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خود شرکت فرمائی اور اس کی زیارت کے لیے خود اپنے بڑھاپے اور پیرانہ سالی میں انگلینڈ ان کے مدرسہ کا سفر کیا، اس موقع پر مدرسہ میں کئی ہزار کا مجمع رہتا تھا، ایک دن تقریباً دس ہزار علماء و طلبہ وعوام کے مجمع کا اندازہ لگایا گیا ہے، روانگی کے دن عجیب وغریب منظر تھا، وہاں پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے ان کے مدرسہ میں حدیث شریف کا آغاز کرایا، ختم قرآن پاک کی مجلسیں ہوئیں، دعا کا یہ عالم تھا کہ آہ وبکا کا ایک خاص منظر لوگوں کے سامنے آیا، مدرسہ کی کھلی فضا میں ایسا محسوس ہورہا تھا کہ فرشتے اپنے پروں سے

اسے ڈھانپے ہوئے ہیں، اس کے بعد پھر حضرت نے دوبارہ لندن ان کے مدرسہ دارالعلوم بری انگلینڈ کا اور ان کے بھائی مولانا عبدالرحیم صاحب کے مدرسہ کا جو معہد الرشید چپاٹا کے نام سے مشہور ہے، ۱۹۸۱ء میں سفر کیا اور دونوں جگہ چند دن قیام فرمایا، حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی طبیعت بہت خراب تھی لیکن مجلس میں حاضری کا یہ حال تھا کہ خاص طور پر جس دن ختم بخاری حضرت نے فرمائی، دارالعلوم کے در و دیوار، سبزہ زار و پتوں پر ایک عجیب نمایاں منظر نظر آیا، لوگوں پر گریہ کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، رونے اور جذباتی نعروں سے فضا گونجنے لگی، اس منظر کی تصویر کشی ممکن نہیں۔

آہ! افسوس کہ آج حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی یہ یادگار بھی ہم سے رخصت ہوگئی، اس پر لکھنے کے لیے مستقل مقالہ کی ضرورت ہے، اس وقت اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کے فیض کو ان کے صاحبزادگان اور شاگردوں وخلفاء جن کی بڑی تعداد انگلینڈ اور کناڈا وغیرہ میں پھیلی ہوئی ہے، اس کو عام کرنے کی کوشش کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے صاحبزادگان اور رشتہ داروں کو اس حادثۂ عظیمہ پر صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، اس سے زیادہ اس وقت لکھنے کی ہمت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں درجات نصیب فرمائے، آمین۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆☆☆☆☆

مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کا اہم مسئلہ

مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مسلمان کے لیے معاش کا مسئلہ، ملازمت کا اور کاروبار کا مسئلہ حتی کہ فسادات اور جان و مال کا مسئلہ اتنا اہم نہیں جتنا اس کے دین وایمان کا مسئلہ اور ایمان پر خاتمہ، عذاب سے نجات اور جنت میں داخلہ کا مسئلہ ہے، قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ”یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَکُمْ وَأَهْلِیْکُمْ نَاراً“ (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں اور اہل وعیال کو آگ کے عذاب سے بچاؤ)۔

لیکن جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ کا مسئلہ، عقیدہ وایمان کی درستی وصحت سے متعلق ہے، اور عقیدہ وایمان کی درستی وصحت صحیح دینی تعلیم پر منحصر ہے، اس لحاظ سے دیکھیے تو مسلمان بچوں کی تعلیم کی اہمیت ہم پر پوری طرح واضح ہوجاتی ہے، اور اس کی مزید تفصیل اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا اس دینی تعلیم کا نظام ہماری ملت میں صحیح معنی میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر ہم اس ملک کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوجائے گا کہ سیکولر یا سرکاری نظام تعلیم میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، گنجائش نہ ہوتی تب بھی کوئی شکایت کی بات نہ تھی، مصیبت یہ ہے کہ جو نصاب تعلیم بچوں کو پڑھایا جارہا ہے وہ اس قدر زہریلا، مشرکانہ اور مضر ہے کہ نہ صرف ہمیں ایک متوازی نظام تعلیم کا انتظام کرنا ہے بلکہ اس زہر کا تریاق بھی مہیا کرنا ہے۔

اس وقت جو نصاب تعلیم سرکاری مدارس میں پڑھایا جارہا ہے وہ ایسا ہے کہ جس کو پڑھنے کے بعد کوئی مسلمان بچہ (اگر وہ صرف اسی نصاب پر انحصار کرے) مسلمان باقی نہیں رہ سکتا، اس لیے اس نصاب تعلیم پر تکیہ کرکے بیٹھ جانا خودکشی کے مرادف ہے۔

بنیادی بات جو اس پورے مسئلہ میں ہمیں طے کرنا ہے وہ یہ ہے کہ خود ہم مسلمانوں کو اس اہم مسئلہ میں کیا کرنا ہے؟ درحقیقت اس معاملہ میں سب سے بڑا قصور مسلمانوں کا ہے، اور سب سے زیادہ ذمہ داری بھی مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے تمام مسائل کے ساتھ ہم اس مسئلہ کو بھی حل کریں اور ہر مسلمان خواہ وہ کسی بھی مدرسۂ خیال، مکتب فکر، برادری اور کسی بھی شہر یا قصبہ سے متعلق ہو اس میں بھرپور حصہ لے، اور یہ محسوس کرے کہ حالات کتنا سنگین رخ اختیار کرنے والے ہیں، اور اگر بروقت توجہ نہ کی گئی تو خدانخواستہ ایسا وقت آئے گا کہ نئی نسل اپنی تہذیب، ثقافت، مذہب، کلچر اور زبان سے بالکل بیگانہ ہوجائے گی۔

دینی تعلیم کا مسئلہ مسلمانوں کے ہر مکتب فکر کے لوگوں کو آواز دے رہا ہے کہ وہ اپنے سارے اختلافات بالائے طاق رکھ کر اس اہم مسئلہ میں یکسو ہوجائیں اور ایک متوازی نظام تعلیم کا جال بچھا دیں جو ان کو غلامی سے بے نیاز کردے، ایک زندہ قوم کی حیثیت سے ہمیں یہ کام اس سے قبل کرلینا ہوگا کہ لگام ہمارے ہاتھوں سے جاتی رہے اور کف افسوس ملنے کے سوا کچھ باقی نہ رہے۔ ☆☆

یادوں کے چراغ

مولانا محمد طلحہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

کریم النفس اور بزرگ شخصیت

● ....حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين وبعد!

دوآبہ کا علاقہ جو دہلی سے سہارنپور تک کو کہا جاتا ہے جو کہ شمالی ہند کے دو بڑے دریاؤں گنگا و جمنا کے درمیان واقع ہے، ہندوستان کے دارالسلطنت اور اس کے پڑوسی علاقہ پر مشتمل ہے، ملک کی مرکزی وسطی حیثیت رکھنے کے ساتھ وہاں کے مقیم افراد کی مختلف صلاحیتوں اور کارگزاریوں کا علاقہ بھی ہے، یہاں کی صلاحیتوں وکارگزاریوں کو وہاں کے مسلمان باشندوں میں واضح طریقہ سے دیکھا گیا ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی، ان کے عظیم العمل فرزندوں، پھر ان سے فائدہ اٹھانے والی نسلوں پر نظر ڈالی جائے تو ان میں جو ہماری نسل کے عظیم اسلاف میں شمار ہوتے ہیں، ایسے ایسے جید علماء اور اہل علم وفن پیدا ہوئے جنھوں نے اپنے ارشاد وتربیت سے نیک لوگوں کی جماعت تیار کردی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، ان کے عظیم بھتیجہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا عبد القادر رائے پوری، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر متعدد نام نمایاں نظر آتے ہیں۔

اس سلسلۂ زریں میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے صاحبزادہ مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ بھی نظر آتے ہیں، جن کی وفات ابھی کچھ دن پہلے ہوئی، ان کی عمر ۸۰؍سال کی ہوئی، لیکن ان کے نہ رہنے کا خسارہ دیکھ کر وہ کم معلوم ہوتی ہے، ان کی تربیت ان کے عظیم القدر والد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے کی تھی اور اس میں وہ بہت کڑی نظر رکھتے تھے جیسے ان کے والد حضرت مولانا محمد یحی کاندھلویؒ نے ان کی تربیت کی تھی، دوسری طرف حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ ان کے نانا اور عظیم داعی ومبلغ دین حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ ان کے حقیقی ماموں تھے اور دوسرے رشتہ سے بڑے بہنوئی تھے، اس تعلق نے انہیں نظام الدین دہلی اور مظاہر علوم سہارنپور دونوں دینی مراکز سے اور ان کی شخصیات سے مستفید کیا، قریب ہی ایک تیسرا دینی مرکز رائے پور تھا جہاں حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے اور ان کے پاس کچھ وقت گزارنے کے لیے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب، حضرت شیخ الحدیث صاحب اور دوسرے حضرات جاتے تھے، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کو بھی ان کی خصوصی شفقت حاصل تھی، ۱۸ یا ۱۹؍سال عمر رہی ہوگی کہ وہ اپنے خاندان کے دو تین لوگوں کے ساتھ ۱۹۶۰ء میں حضرت مولانا عبد القادر رائپوریؒ سے بیعت ہوگئے، ان کے ساتھ مولانا محمد ہارون کاندھلویؒ، مولانا محمد اجتباء الحسن کاندھلویؒ اور مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ تھے، حضرت نے چاروں کو ایک ساتھ بیعت فرماکر یہ ہدایت کی کہ تم سب اپنے اپنے باپ سے تعلق رکھنا اور ان کے مشورہ پہ چلنا، باقی یہ تین حضرات حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی، حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلویؒ ان سب کو ان نسبتوں کا بڑا فائدہ حاصل ہوا۔

مولانا محمد طلحہ صاحب ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے اور جب وہ چار سال کے تھے تو ان کے نانا حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ نے وفات پائی، اس طرح انہیں ان کی بھی شفقت اور دعائیں حاصل ہوئیں، سہارنپور میں ناچیز کو ۱۹۴۶ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی سرپرستی میں ایک ماہ یا اس سے کچھ زیادہ وقت گزارنے کی سعادت ملی، اس وقت مولانا محمد طلحہ صاحب کی عمر چھ سال رہی ہوگی، میں نے ان کو قریب سے دیکھا، پھر بعد میں نظام الدین دہلی، سہارنپور اور رائے پور حاضری کے بار بار مواقع ملتے رہے، مولانا محمد طلحہ صاحب کو دیکھنا ہوا، انہیں حضرت شیخ اپنے بزرگوں کی یادگار بنانا چاہتے تھے، وہ ان کے تنہا بیٹے تھے، ان کو اپنا اہم جانشین بنانا چاہتے تھے، لہذا بڑی سختی کا رویہ رکھتے تھے اور ذرا بھی تساہلی ان کو پسند نہ تھی اور یہ بھی پسند نہ تھا کہ وہ رہن سہن اور کھانے پینے میں تکلف سے کام لیں، اس چیز نے ان کے اندر اس زاہدانہ زندگی والی بات پیدا کردی تھی جو آخر تک اسی طرح رہی اور بڑی نسبتوں کے حامل ووارث ہونے

کے باوجود کسر شان والی بات پوری طرح ان میں محسوس کی جاتی تھی۔

ایک بڑی خوبی ان میں یہ تھی جو وضعداری کی تھی کہ جس سے ان کو تعلق ہوا، اسے اسی طرح انہوں نے ہمیشہ قائم رکھا، بلکہ ان تعلقات کو باقی رکھا جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے تھے اور ان کو اس حد تک قائم رکھا کہ جہاں شیخ الحدیث اپنی کتابوں کی طبع واشاعت کا کام لیتے تھے، انہوں نے ان کے بعد بھی اس کا خیال رکھا، چوں کہ فضائل کے بعض رسائل کا عربی ترجمہ ہمارے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بعض اساتذہ سے کرایا تھا، جو متعدد رسائل باقی رہ گئے تھے، ان کا عربی ترجمہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک استاد مولوی عبدالرشید راجستھانی ندوی نے کیا اور ان کے دارالاشاعت مکتبہ یحیوی سے شائع ہوا۔

کتب خانہ یحیوی ان کے دادا حضرت مولانا محمد یحیی کاندھلویؒ کا قائم کردہ دارالاشاعت ہے جو مظاہر علوم کے زمانہ تدریس میں مولانا محمد یحیی صاحب نے خود قائم کیا تھا، اور اس جذبہ سے قائم کیا تھا کہ یہ بھی تبلیغ دین کا ایک مؤثر ذریعہ بنے، چنانچہ جب حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کی مشہور تربیتی کتاب ’’بہشتی زیور‘‘ چھپ کر سامنے آئی تو اس کے فائدہ کو عام کرنے کے لیے انہوں نے اس کا شوق پیدا کرایا اور جن میں قوت خرید والی بات نہ پائی تو ان کے شوق کو دیکھتے ہوئے اسے قرض کے طور پر یا ہدیہ کے طور پر دینے کا عمل کیا، اسی طرح اور بھی دینی کتابوں کے ساتھ ان کا معاملہ رہا اور خود بھی اپنے شیخ حضرت مولانا محمد رشید احمد گنگوہیؒ کے علمی افادات کو سامنے لانے کا کام کیا، ان کی جمع وترتیب اور پھر اشاعت سے کیا، اور پھر ان کے بعد ان کے بلند اقبال صاحبزادے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے اسی طرح اس سلسلہ کو جاری رکھا اور ان سے تربیت پاکر ان کے تلامذہ اور خلفاء نے اس کو اور وسعت دی، پھر اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کا کام ان کے صاحبزادہ وجانشین حضرت مولانا محمد طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور مادی نفع سے بالاتر ہوکر انہوں نے اسی جذبۂ خدمت دین و خدمت خلق سے کام لیا اور آخری دنوں میں انہوں نے یہ ذمہ داری اور تربیت وارشاد کی ذمہ داری بھی اپنے خاندان کے ایک مؤقر فرد اور بہنوئی مولانا سید سلمان صاحب مظاہری کے سپرد کرکے ایک اچھی شکل پیدا کی، فالج کی وجہ سے جب وہ بولنے سے معذور ہوگئے تھے تو وہی ان کی مجلس میں کتاب پڑھنے اور مہمانوں کی دیکھ ریکھ کا کام بھی کرنے لگے تھے اور ان کی وفات کے بعد باقاعدہ اس کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں، ان کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی صاحب (صدر جمعیت علمائے ہند) نے پڑھائی اور اپنے دادا حضرت مولانا محمد یحیی صاحب کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے۔

حضرت مولانا شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحب کے طالب علمانہ دور میں ان کے والدؒ نے ان کی تعلیم وتربیت میں بہت سختی کا رویہ رکھا تھا، وہی رویہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے اکلوتے فرزند مولانا محمد طلحہ صاحب کے ساتھ کیا، یہی طریقۂ تربیت مولانا طلحہ صاحب کے اندر اپنے والد کی متعدد اعلیٰ صفات منتقل ہونے کا ذریعہ بنا اور اس خاندان والا شان میں اخلاق وصلاح کا سلسلہ زریں خاصی مدت جاری رہا، اب کوئی نسبی جانشین نہیں رہا، لیکن اپنے عزیز قریب مولانا سلمان مظاہری کو انہوں طے کردیا تھا جو ان کی صفات و خصوصیات جاری رکھنے کی ذمہ داری پوری کریں گے اور روحانی حالات کو قائم کریں گے۔

☆☆☆☆☆

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کی جدید ودیدہ زیب طباعت

المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

صفحات: ۴۴۰ قیمت: ۲۸۰/روپے

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539، موبائل نمبر: 9889378176

ای میل: airpnadwa@gmail.com

سخن دلپذیر

عقل مندی کا تقاضا

● ....مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

موجودہ دور بہت عجیب وغریب دور ہے، اس دور میں عقل کا خوب چرچا ہے مگر بے عقلی کی باتیں زیادہ ہیں، اس زمانہ میں لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہر شخص عقل مند ہے، یہاں تک کہ اس دور کے بچے بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور ایسے سوالات کرتے ہیں جن سے خود بڑے پریشان ہیں کہ ایک چھوٹا بچہ یہ باتیں کیسے پوچھ رہا ہے؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس دور کے بڑے اتنی بے عقلی کر رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے ان کو جو عقل بچپن میں ملی تھی وہ بھی کھو چکے ہیں، اس ناحیہ سے دیکھا جائے تو یہ دور واقعی بہت عجیب وغریب دور ہے، ایک طرف ظاہر میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن پڑھے لکھے ہوکر جہالت میں مبتلا تعداد بھی اتنی ہی ہے، جس کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ عقل مندی میں حماقت ہے اور پڑھے لکھے ہوکر جاہل ہیں، اور یہ کام بڑا نازک ہے کہ عقل مند اور پڑھے لکھے شخص کی جہالت کو دور کیا جائے، تاریخ میں ایسے بہت سے بادشاہ گذرے ہیں جن کے متعلق تاریخ نویسوں نے لکھا ہے: "العاقل المجنون" یعنی وہ عقل مندی کی باتیں کرتے تھے مگر بعض اوقات ایسے کام کرتے تھے، جن سے ان کا پاگل ہونا ظاہر ہوتا تھا، اسی طرح اس زمانہ میں بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اپنی ذاتی زندگی کی بات کرتے ہوئے عقل مند نظر آتے ہیں، لیکن جب وہی لوگ انسانی سطح پر سماج میں بات کرتے ہیں تو بالکل بے عقل معلوم ہوتے ہیں۔

عقل کا صحیح استعمال بہت ضروری ہے، اس کا حق یہ ہے کہ اس کو بند کرکے نہ رکھا جائے اور غلط استعمال نہ کیا جائے، ورنہ آج کل ایسا ماحول بنایا جارہا ہے کہ آپ عقل کا صحیح استعمال نہ کرسکیں، گویا اس وقت پوری دنیا میں یہ (Brain Washing) برین واشنگ ہورہی ہے کہ عقل کو ایسا بنادو کہ سوچنے کی صلاحیت ہی نہ رہ جائے، اس لیے ہم میں سے ہر ایک کو بہت ہوشیار رہنا چاہیے، اور ہر جگہ اپنی عقل کو صحیح طور پر استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ اگر کوئی چیز استعمال نہیں کی جاتی تو اس کا نفع ختم ہوجاتا ہے، لیکن عقل کے استعمال میں یہ خیال ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ استعمال برمحل ہو، ورنہ بسا اوقات غیر محل پر عقل استعمال کرنے کا نتیجہ بھی بڑا سنگین ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں بے عقل باتوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہا جائے کہ کوا کان لے گیا اور تمام لوگ اس کوے کے پیچھے پڑجائیں، اور اپنے کان پر ہاتھ پھیر کر نہ دیکھیں، تاکہ پتہ چل سکے کہ کان ہے یا واقعۃً کوا لے گیا، ٹھیک یہی صورت حال آج ہمارے معاشرہ کی ہوگئی ہے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر اخبار میں کوئی بے بنیاد خبر اچھے قالب میں چھپ جائے تو تمام لوگ اسی پر اعتماد کرلیتے ہیں، اور حقیقت سے باخبر ہونے کی فکر نہیں کرتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مواقع کے لیے عقل کی نعمت عطا کی ہے، تاکہ آدمی اپنی عقل استعمال کرکے صورت حال کا صحیح اندازہ لگاسکے۔

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ انسانی سماج میں تعلیم کا جذبہ ہونا بہت ضروری چیز ہے، واقعہ یہ ہے کہ تعلیم ایک نور ہے جس سے معاشرہ میں روشنی پھیلتی ہے، اگر کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرتا ہے تو ظاہر ہے وہ بے عقلی کا ثبوت دیتا ہے، لیکن اس تعلیم کے لیے یہ شرط ہے کہ اس کے اوپر غلاف نہ چڑھایا جائے، یعنی اس کی روشنی کو بند کرکے عام نہ کیا جائے، بلکہ اس کی روشنی کو کھلا رکھا جائے، موجودہ دور میں تعلیم کا دور دورہ ہونے کے باوجود بھی تعلیم یافتہ طبقہ کی طرف سے بے عقلی کی باتیں سامنے آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی تعلیم پر ایک غلاف چڑھا ہے، جس کی وجہ سے تعلیم کی روشنی سماج میں نظر نہیں آرہی ہے اور لوگ تاریکی کی طرف بڑھتے جارہے ہیں، اور بسا اوقات اس سلسلہ میں ایسے نمونے سامنے آتے ہیں، جن کو دیکھ کر ایک جاہل بھی پناہ مانگے، بطور مثال ڈاکٹری شعبہ کو لے لیا جائے جو کہ انسانیت کی خدمت کا بہت اچھا طریقہ ہے، لیکن آج اس شعبہ کی عمومی صورت حال ایسی ہوگئی ہے جس کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، کتنے ایسے سنگ دل ڈاکٹر ہیں جو پریشان حال مریضوں کے گردے ٹھیک کرنے کے بجائے نکال ہی لیتے ہیں، اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ گرچہ اس زمانہ میں لوگ پڑھ لکھ گئے ہیں اور یہ زمانہ ترقی کا ہے، لیکن یہ پڑھائی لکھائی اور ترقی درحقیقت جاہلیت کے غلاف میں ہے، اور ظاہر ہے جب

پڑھا لکھا آدمی بگڑنے پر آتا ہے تو وہ شیطان کے بھی کان کاٹتا ہے۔

اس لیے تعلیم کے میدان میں انسانیت کی خدمت پیش نظر رکھنا چاہیے، اور یہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری پڑھائی لکھائی کا مقصد صرف حصول زر نہیں ہے، اگر صرف دولت کمانا ہی مقصد ہوتا تو بغیر پڑھے لکھے بھی اس مقصد میں کامیابی ممکن تھی، لیکن ہماری تعلیم کا مقصد دراصل انسانیت کی بے لوث خدمت ہے اور دوسروں کی راحت وسکون ہے، واقعہ یہ ہے کہ اگر ہماری ذہنیت ایسی بن جائے تو تڑپتی انسانیت کو سکون نصیب ہوجائے، آج ہر شخص پریشان ہے، اور ہر شخص کو یہ شکوہ ہے کہ ڈاکٹروں کی نگاہ لوگوں کی جیب پر ہوتی ہے، ان کو خدمت خلق سے کوئی مطلب نہیں ہوتا ہے، ان کا مقصود علاج کرنا نہیں، بلکہ دولت بٹورنا ہے، اور اسی طرح جو لوگ سرکاری آفسوں میں بیٹھے ہوئے ہیں، وہاں پر لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ یہاں کے افسران اصلاً لوگوں کا کام کرنے کے لیے نہیں بیٹھے ہیں، بلکہ لوگوں کی بھاری بھاری رقمیں ہڑپنے کے لیے بیٹھے ہوئے ہیں اور ان افسران کی نظر لوگوں کی پریشانیوں پر نہیں ہوتی ہے، بلکہ ان کی نگاہ ان کی جیب پر ٹکی رہتی ہے۔

اگر دنیا کا عمومی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ واقعی آج پڑھنا لکھنا بہت ہوگیا ہے، اور اس وقت اتنے کالج ہیں کہ شاید دنیا کی تاریخ میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک اتنے کالج نہ ہوئے ہوں، لیکن اس کے باوجود اس زمانہ میں انسانیت کے خلاف اتنا کام ہورہا ہے اور اتنی جہالت پھیل رہی ہے، جو شاید حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک اتنی نہ پھیلی ہو، بس فرق اتنا ہے کہ اب جہالت پڑھی لکھی ہے، پہلے جہالت خالص جہالت تھی، لیکن اب up to date جہالت ہے، ظاہر میں عمدہ لباس ہے اور پڑھا لکھا آدمی ہے لیکن اندر سے ڈاکو ہے، یا یوں کہہ لیں کہ اندر سے چیتا یا سانپ ہے۔

تعلیمی میدان میں ایک بات یہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ہم جو تعلیم نئی نسل کو دے رہے ہیں، اس کی تاثیر کیا ہے؟ اس دور کا یہ بھی ایک المیہ ہے کہ آج کالجوں میں جو تعلیم دی جارہی ہے، اور جو باتیں سکھائی جارہی ہیں، وہ تعلیم نہیں بلکہ درحقیقت ایک زہر ہے، جس سے پوری انسانیت زہر آلود ہوتی جارہی ہے۔

عقل مندی کا ایک دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کی اصلاح کی فکر کریں، آج سماج میں ایسی بے شمار خواتین ہیں جن کو جلایا جارہا ہے، اسی طرح نہ جانے کتنے ایسے بوڑھے ماں باپ ہیں جن کو انہیں کے گھروں سے دھکے دے کر نکالا جارہا ہے، اگر غور کیا جائے تو اس گندے ماحول کی بھی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تعلیم کے پھل کڑوے نکل رہے ہیں، اور عقل کو اس کے غیر محل پر استعمال کیا جارہا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی تہذیب حد درجہ محبوب ہوگئی ہے، آج حال یہ ہوگیا ہے کہ لوگ مغربی تہذیب پر ایسا نچھاور ہیں کہ اپنے ملک کی تہذیب کو فراموش کرنے پر راضی ہیں، جب کہ خود مغربی اقوام کا حال یہ ہے کہ وہ خود اپنی تہذیب سے پریشان ہیں۔

اس وقت پوری دنیا حقیقی امن وسکون کی تلاش میں ہے، ہر کسی کی خواہش ہے کہ وہ خوشی کی زندگی بسر کرے، لیکن افسوس کی بات ہے کہ آج انسان کے دل کی خوشی ختم ہوگئی ہے، اور یہ طے ہے کہ جب تک دل خوش نہیں ہوگا، اس وقت تک کسی بھی چیز میں مزا حاصل نہیں ہوسکتا، اسی لیے کتنے ایسے لوگ ہیں جن کے پاس پیسے کی بے انتہا دولت ہے، مگر ان کو حقیقی سکون میسر نہیں ہے، جب کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی بھی طرح ان کو سکون نصیب ہوجائے، لہٰذا ایسے حالات میں دانشور طبقہ کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ تعلیمی میدان میں اصلاح کی کوشش کرے، انسانیت کی خدمت کے جذبہ کو فروغ دے اور دنیا کو حقیقی امن وسکون سے آشنا کرائے، جب لوگوں یہ حقیقی سکون نصیب ہوگا تو معاشرہ سے وہ تمام متعفن چیزیں خود بخود دور ہوجائیں گی، جن سے آج ہر انسان کڑھن محسوس کررہا ہے۔

☆☆☆☆☆

مغربی نظام تعلیم وتربیت

دینی مدارس کے خلاف موجودہ عالمی مہم حقیقت میں وہی پرانا ہتھکنڈہ ہے جسے مغرب نے یورپین سامراج پھیلنے سے پہلے آزمایا تھا، یہ کوششیں مغرب کے غلط اندازے، غلط فہمی، حقیقت سے عدم واقفیت اور حقائق سے چشم پوشی پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے کہ مغربی تسلط سے نجات پانے کی تحریکیں فطری ہیں اور یہ خود مغربی نظام تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہیں؛ کیونکہ مغرب کی تعلیمی فکری بنیاد آزادی ہے اور آزادی مغربی تہذیب کا پہلا نشانہ ہے، چنانچہ آزادی پسند تحریکوں کو دہشت گرد گردانا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

تحریک ندوہ

مولانا محبّ اللہ لاری ندوی علیگ رح

مولانا محمد علاء الدین ندوی

'لار' ایران میں کوئی جگہ ہے، یہاں سے مولانا محبّ اللہ لاری ندویؒ کی (عراقی) برادری ہندوستان وارد ہوئی، تو جہاں اس برادری کا قیام ہوا اُس جگہ کا نام اپنے مرکز اصلی کے نام پر 'لار' رکھ دیا گیا، یہ موجودہ لار دیوریا (اتر پردیش) میں واقع ہے۔ مولانا محبّ اللہ لاریؒ نے علم وثقافت کی تحصیل اور اپنی شخصیت کی تعمیر وتشکیل ندوۃ العلماء میں کی، علی گڑھ کے قیام نے ان کے علم و دانش میں وسعت اور جلا پیدا کی، مولانا کی ذات میں رچا بسا سوز وگداز، بے نفسی اور دینی مزاج ندوۃ العلماء ہی کے اکابر اساتذہ کی مرہون منت ہے، اسی ندوے سے علمی نسبت اور علی گڑھ سے علمی وابستگی کی بنا پر آپ کے اصل نام کے ساتھ 'ندوی' اور 'علیگ' کا زائدہ لگا ہوا ہے۔

اس ناچیز کو اتنی دولتِ افتخار تو حاصل رہی ہے کہ ۱۹۷۳-۷۹ء تک مولانا محبّ اللہ لاری ندوی کو دیکھنے کی حد تو خوب دیکھا، ان سے سابقہ بھی پڑا مگر اسی قدر جس قدر اہتمام اور ایک طالب علم کے درمیان ضابطے کا رابطہ ہوتا ہے، اپنی تعلیم کے آخری سال میں انجمن الاصلاح کا ناظم رہا تو ذرا اس رابطے میں کچھ استواری آگئی تھی اور بار بار ملاقات کی سعادت حاصل ہوتی رہتی تھی۔

مجھے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ اپنے دورانِ طالب علمی مَیں مولانا کی عظمت وکمالات کے مختلف گوشوں اور ان کے صحیح مقام ومرتبے سے نابلد رہا، ہاں میں ان کی دلآویز شخصیت کی گہرائی میں نہ اتر سکا، مجھے یہ بھی پتا نہ تھا کہ مولانا کا شمار ندوۃ العلماء کے اُن مایہ ناز سپوتوں میں ہوتا ہے جو تحریک ندوہ کے عظیم مقاصد، اس کے مزاج اور اس کی دعوت کے علمبردار سمجھے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ قدیم صالح اور جدید نافع کے نمائندہ فرزندوں میں شامل ہیں، میں کہاں ان کی تہ دار شخصیت کے پرتوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ سکتا تھا، وہ تو بعد میں اس حقیقت کا ادراک ہوا کہ بادی النظر میں تو وہ صرف نظم وانصرام کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے، مگر فی الواقع وہ کئی جنریشن کے لیے حکیم و دانا مربی اور معتدل وغیر جانبدار رجحان رکھنے والے مخلص اتالیق تھے، ان کی محنت و جفاکشی، دیانت داری، طلبہ کے تئیں ان کی فکر مندی، ان کے لیے رضائے الٰہی اور نجات اُخروی کا ذریعہ تھی، ان کی علمی استعداد اور ان کی معاملہ فہمی اعلیٰ درجے کی تھی، جس کا اظہار اپنے وقت میں ہوتا رہتا تھا، مئی ۱۹۷۰ء میں ندوۃ العلماء کے علمی حرم کے تقدس کو کچھ شر پسندوں نے داغدار کرنے کی ٹھان لی تو اس وقت مہتمم صاحب نے پورے استقلال و پامردی سے اس طوفان کا مقابلہ کیا۔

مدتوں بعد راقم کے علم میں یہ بات آئی کہ مہتمم صاحب چمن گنج کانپور میں جب تک رہے، تجارت اور دعوت دونوں کو شیر وشکر بنائے رہے، حضرت مہتمم صاحب کے حوالے سے یہ بات قابل غور بلکہ تحقیق کا موضوع بھی بن سکتا ہے کہ سندھ یونیورسیٹی اور علی گڑھ یونیورسیٹی کی طرف سے ملازمت کی پیش کش کے باوجود آپ نے کیوں اس پیش کش کو قبول کرنے سے احتراز کیا؟ مولانا عمران خان ندویؒ، تاج المساجد بھوپال کے لیے آپ کو آمادۂ کار کرتے رہے، مگر وہ بھی کامیاب نہ ہوئے، دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے بلاوا آیا مگر آپ یہاں کے لیے بھی تیار نہ ہوئے، کیا مولانا کی نگاہ میں سرکاری ملازمت رزق کا بہت ہی تنگ دروازہ تھا اور مولانا اس تنگ دروازے میں داخل ہو کر اپنے طائر لاہوتی کی پرواز میں قدغن لگانا نہیں چاہتے تھے؟ خیال ہی نہیں مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی تھا۔

مولانا چونکہ خطابت کے ڈائس سے دور دور رہتے تھے، نام ونمود، اور شہرت طلبی سے تو جیسے انہیں یک گونہ بیر تھا، کبھی وہ اس ہنگامہ خیز دنیا سے شاید کبھی آشنا نہ ہوئے، مزاج میں کم سخنی تھی، ہر انسان کی خموشی بلا وجہ نہیں ہوتی، مدبرین ومنتظمین کی خموشی منصوبہ بندی کے لیے ہوتی ہے، مولانا محبّ اللہ صاحب ایک عظیم ادارے کے مہتمم ومنتظم تھے، اس لیے ان کی خموشی سے فاروقی تفکر وتدبر کا گمان ہوتا تھا، 'انا' کے بت سے مولانا کو کبھی الفت رہی ہی نہیں، جبکہ یہ بت ناز اچھوں اچھوں کے دل کو اپنا گھروندا بنا لیتا ہے، جہاں وہ بسیرا کرتا ہے۔

مولانا سرتا پیر تواضع کے سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے، اس لیے ہی تو کبھی اُن کے فکر رسا سے علمی طمطراق کا اظہار نہیں ہوا، ورنہ مولانا تو اسپ قلم کے بھی شہسوار تھے، ان میں انشاء پردازی کا جوہر تھا، جو بہت کم نمایاں ہوسکا، مولانا کے رفیق درس مولانا رئیس احمد جعفری ندویؒ ایک اسکیم کے تحت مولانا سے النُّظُم الاسلامیۃ (مسلمانوں کا نظام حکمرانی) کا ترجمہ کرایا تھا جو ۱۹۵۱ء میں کراچی میں شائع ہوا، رئیس احمد جعفری صاحب نے اس ترجمہ کی صحت وافادیت کو سراہا ہے

اور ایک دوسرے ترجمہ کے مقابلے میں اس ترجمہ کی فوقیت اور قدر وقیمت کی شہادت دی ہے۔

دور طالب علمی میں میرے ذہن نارسا کی اسکرین پر حضرت مہتمم صاحب کی تصویر کچھ اس طرح مرتسم رہی کہ ۶۵-۷۰ سال کا ایک باوقار بزرگ، عالمی شہرت رکھنے والے ایک عظیم درسگاہ کا مہتمم (پرنسپل) ہے، جو اخلاص وذہانت کا پیکر ہے، خوف وخشیت الٰہی جس کا سرمایۂ حیات ہے، جس کی زندگی زہد وقناعت کی منہ بولتی تصویر ہے، جو عمدہ فرنیچر اور تام جھام سے عاری ایک معمولی سے مکان میں رہتا ہے، متانت وسنجیدگی جس کے موئے موئے سے ٹپکتی ہے، جس کی دھیمی آواز میں بھی ایک شانِ شرافت نمایاں ہے، جو اپنے معاملات میں حد درجہ دیانت داری کا ثبوت دیتا ہے، جو تقسیم کار کے اصولوں کی سختی سے پابندی کرتا ہے، جو دفتری کاموں کی انجام دہی میں پورے انہماک سے لگا رہتا ہے، نماز جو مومن کی تعمیر وتشکیل وتربیت کے لیے ایک جہانِ نو اور میدان انقلاب ہے، مہتمم صاحب کو اس نماز سے عشق ہے، اس معاملے میں وہ اُس زمرۂ صالحین میں ہیں جن کی توصیف میں ارشاد خداوندی ہے: ”قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ“ اور ”وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ“ (یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں...... اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں۔[المومنون:۱-۲اور۹]

حضرت مہتمم صاحب کو قریب سے جاننے والے ہر شخص نے نماز سے ان کی شغف اور جماعت کی پابندی کی شہادت دی ہے، جماعت سے خاصہ پہلے وہ گھر سے باوضو ہو کر مسجد جا پہنچتے تھے، نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہی مؤدبانہ اسلوب اور خشیت کا نمونہ بن جاتے تھے، شروع سے آخر تک ادائے ارکان میں اطمینان، خضوع اور احسان کا وصف طاری رہتا تھا، ان کے نماز کے اس اہتمام سے محسوس ہوتا تھا کہ رب کے حکم و طلب پہ نماز پڑھنے والے اس مردِ مخلص ودانا نے اب رب ہی کو اپنا مطلوب ومقصود بنا لیا ہے، جس کی نماز میں روح صلاۃ اور کیفیت صلاۃ دونوں آن ملے ہیں، یقیناً مولانا لاری نماز کا ’ذائقہ‘ پائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ دوسرے بھی اس ’ذائقہ‘ سے مزہ پائیں، اس لیے نماز کے معاملے میں آپ طلبہ کی مداہنت، تساہل اور غفلت ولاپرواہی کو برداشت نہ کر پاتے تھے۔

مولانا لاری ۱۹۶۹ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم بنائے گئے، تو اس وقت ۶۴/ سال کے جواں ہمت بزرگ تھے، نومبر ۱۹۹۳ء میں انتقال پرملال فرمایا تب ۸۸ سال کے معمر مردِ صالح تھے، میرے سنِ فراغت (۱۹۷۸ء) کے سال آپ ۷۰-۷۱ کے پیٹے میں ہوں گے، میں نے اپنے سات، آٹھ سالہ دور قیام میں اُن کو کبھی بوڑھا نہیں پایا، اس کی وجہ شاید ان کا تصورِ شیب و شباب ہوگا، مولانا عاقل واریب اور فہیم ودانشمند مومن تھے، وہ اس حقیقت سے خوب آگاہ تھے کہ مومن کا شعوری ایمان اہل ایمان کو ہمیشہ جواں اور تنومند رکھتا ہے، یہی جواں اور تنومند ایمان اُسے کسی باطل کے سامنے سرنگوں ہونے نہیں دیتا، یہی ایمان اس کی قوت کار کو بڑھاوا دیتا رہتا ہے، جس کے فیض اثر سے وہ کشت ویراں کو گل وگلزار بناتا ہے، جبکہ ایمان سے کورے، باطل کے غلام اور دولت کی دیوی کے پجاری اپنی قوت کارکردگی سے بہت جلد عاری ہو جاتے ہیں، ہماری ملت میں جس کثرت کے ساتھ ایمان سے سرشار ایسے بوڑھے ملیں گے جو اپنی روحانی اسپرٹ اور قوت کارکردگی میں جوان صفت مجاہد ہیں، یہ تناسب آپ کو غیروں میں کہاں ملے گا؟ فرزندان ندوہ ہی کی ایک لمبی فہرست ضرور دیکھنے کو ملے گی جن کے مخلصانہ عمل، جن کی محنت، لگن، تڑپ، دل سوزی اور دسیوں طرح کی عملی سرگرمیاں اس بات کی شہادت دینے کے لیے کافی ہیں کہ جسم کے بڑھاپے کے باوجود ان کے شعوری ایمان کا پھول ہمیشہ شگفتہ اور ہر لحمہ ’جوان رعنا‘ ہی رہتا ہے۔

سیرت وکردار کے جوہر میں انسان کے طبعی، خلقی مزاج اور اس کی سرشت کا رنگ اپنا مستقل رنگ دکھاتا ہے، کسی کی سرشت میں حزن ویاس، رنج وملال اور تشاؤم کا اثر ہوتا ہے، کسی میں فرحت وانبساط اور شوخی وشرارت کا خاصہ ہوتا ہے، کسی میں غیظ وغضب اور خشونت وکرختگی کا غلبہ ہوتا ہے، کسی میں شگفتگی ودلآویزی کا رنگ نمایاں ہوتا ہے، مولانا کی ذات میں بذلہ سنجی اور ہذیان گوئی کی حد تک نہ تو شگفتگی پائی جاتی تھی، نہ خشونت وکرختگی کی حد تک علمی اور فکری خشکی کا شائبہ نظر آتا تھا، بلکہ آپ کا وقار بھی موزونیت لیے ہوئے تھا اور خوش خلقی بھی اعتدال کے دائرے میں رہتی تھی، مزاج میں مفکرانہ انداز کا ٹھہراؤ تھا، جو متانت کے روپ میں ہویدا تھا۔

مولانا صاحبِ قلم اور انشا پرداز تھے، جب تک قلم سے راہ ورسم رکھا، قلم ان کے ہاتھ میں پھبتا رہا، پھر وہ وقت آیا کہ میدان عمل میں آگے نکل جانے کے لیے قلم کو پیچھے چھوڑ دیا، جس دور میں مولانا کا قلم سے رشتہ ناطہ تھا، اس دور کے چند ایک مضامین راقم کو بھی نظر نواز ہوئے ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا لاری رواں اور سلیس لکھتے تھے اور بات سے بات پیدا کرتے تھے، دراصل

انسان اپنے قلم کے آئینہ میں اپنی شخصیت کے احوال اور روداد زندگی بیان کرتا ہے، اس کا اسلوب اس کے اسلوبِ حیات اور اس کی معنوی شخصیت کا غماز ہوتا ہے، مولانا کی تحریریں صاف بولتی ہیں کہ آپ جذباتیت کے آدمی نہیں تھے، ان میں استقلال، بردباری اور عزیمت کا وصف تھا، ان میں زودرنجی اور تلون مزاجی نہ تھی، ان کے اندر ایک فکری جماؤ اور باطنی نفاست کا جمال تھا، طلبہ کے سامنے ڈائس پر وہ کبھی کبھار ہی آتے، مگر جب آتے تو خطابت کے ساحرانہ اسلوب بیان سے کام نہ لیتے، یہ اسلوب ان کے مزاج سے لگا بھی نہ کھاتا تھا، ان کی مرتب، سادہ اور مدلل گفتگو میں طوفانی لہروں کا خروش دور دور نظر نہ آتا تھا، اپنے ٹھنڈے اسلوب ہی میں کام کی باتیں کرتے، جس میں ان کے الفاظ اور شخصیت دونوں کا وزن ہوتا۔

مولانا کے محاسن میں بے لوثی، بے نفسی بہت تھی، جاہ طلبی کی تو ان کو ہوا بھی نہ لگی تھی، قناعت و استغنا ان کا شعار تھا، ان صفات کے لوگوں کی نظر دنیا سے زیادہ آخرت پہ ہوتی ہے، پھر آخرت کو مطمحِ زندگی بنانے والے دوسروں کے لیے نفع بخشی کا سامان کرتے ہیں اور خود دنیا کی طلب میں کوتاہ دست ثابت ہوتے ہیں، مولانا کے اخلاق کریمانہ اور شفقت آمیز مخلصانہ رویہ کی شہادت سارے جاننے والوں نے دی ہے، اس ضمن میں میرے معاملے میں ان کے مشفقانہ احسان کا ذکرِ جمیل یقیناً ان کی فکرمندی کو جلا بخشے گا:

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں میرا داخلہ ۱۹۷۳ء میں عالیہ اولیٰ (درجہ پنجم عربی) میں ہوا تھا، عالیہ ثانیہ (درجہ ششم) میں سالانہ امتحان سے ایک مہینہ قبل ٹائفائیڈ کا حملہ ہوا، مرض نے طول پکڑا، امتحان میں شریک نہ ہوسکا، چھٹیوں میں سینئر طلبہ کے ساتھ وطن (رانچی) چلا گیا، وہاں پہنچنے پر دوبارہ مرض نے زور دکھایا، افاقہ ہوا، چھٹی ختم ہوئی اور شوال میں واپسی کا وقت آگیا، والد صاحب کی مالی حالت ابتر تھی، واپسی کی کوئی تدبیر نہ بن پا رہی تھی، کہ ایک دن مولانا عبدالغنیؒ صاحب کی دکان 'تاج بک ڈپو' (مین روڈ، رانچی) بلا ارادہ جا پہنچا، مولانا اپنے ورع وتقوی اور پابندیٔ سنت وشریعت میں ہر خاص وعام اور ہر خیرخواہ و بدخواہ کی نگاہ میں بڑے صاحب رتبہ انسان اور معتبر عالم دین تھے اور اتفاق سے مولانا محب اللہ صاحب لاری کے برادری سے تعلق رکھتے تھے، باتوں باتوں میں میرے احوال کا انہیں پتا چلا تو تفہیم کے انداز میں بڑی عبرت آموز باتیں کیں، جن سے میرے چھوٹے سے دل کی دنیا میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی، محسوس یوں ہوا گویا مولانا نے انقلاب کی دستک دے دی ہو، ان کی باتوں سے راہ پرخطر کو سر کرنے کا حوصلہ ملا، ایک خاص بات یہ فرمائی کہ زندگی میں آسانیاں کہاں ہیں، مومن کو تو اسی دنیا میں رہ کر جنت کے لیے جدوجہد کرنی ہے، فرمایا: "حُفَّتِ الجنة بالمكاره" (جنت مصائب سے گھیر دی گئی ہے) طلب دین کی راہ میں آزمائشیں تو آئیں گی، ہمت نہ ہاریئے، خدا جانے ان کی باتوں میں کہاں سے وہ تاثیر پیدا ہوئی تھی کہ اسی دم عزم مصمم کر لیا کہ ندوہ جانا ہے ......میرے کرم فرما مولانا عبدالسبحان ندوی دامت برکاتہم نے مجھے حضرت مہتمم صاحب کے نام ایک گرامی نامہ دے دیا، ندوہ پہنچا، مہتمم صاحب کی خدمت میں خط پیش کر دیا، پڑھتے ہی فرمایا: ہاں تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم بیمار رہے ہو، پھر آپ نے دفتر میں بیٹھ کر سارے پرچوں کا ضمنی امتحان دینے کا بندوبست فرما دیا اور اس طرح آگے کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہ سکا، اگر حضرت مہتمم صاحب نے اُس وقت ذرا بھی افسری کا انداز اپنایا ہوتا تو شاید آج میں جہاں پر کھڑا ہوں وہاں تو نہ ہوتا اور خدا جانے کہاں ہوتا، یہ ان کا لطف وکرم تھا، اللہ اُنہیں اُن کے الطاف عمیمہ اور خدمات جلیلہ کا بیش بہا بدلہ عطا فرمائے اور مقربین کی جماعت میں شامل کرے:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

☆☆☆☆☆

(سات جلدوں پر مشتمل) آسان ہندی زبان میں ترجمہ وتفسیر

تفسیر فاروقی اور ہندی ترجمہ **قرآن مجید کا پیغام**

از - (مولانا) مفتی محمد سرور فاروقی ندوی

یہ مسلم وغیر مسلم اور نومسلموں کے لیے آسان ہندی زبان میں تفسیر ہے جس میں ہر روز کے سبق کے اعتبار سے تقریباً دس دس آیتوں کا ترجمہ پھر ہر آیت کی الگ الگ تفسیر نمبر ڈال کر لکھی گئی ہے، پھر ہر آیت کا پہلے شان نزول، اس سے متعلق احادیث اور مسائل کے ساتھ غیر مسلموں کے عقائد وسوالوں کے جوابات اور سائنسی تحقیق وفضائل کا ذکر کیا گیا ہے۔

ناشر: مکتبہ پیام امن، ندوہ روڈ، ڈالی گنج، لکھنؤ

موبائل نمبر: 09919042879, 0998449015

تاریخ ہند

اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

تاریخ کا انصاف پرور اور انسانیت نواز حکمران

مولانا سید عنایت اللہ ندوی

انسانی تاریخ میں ایسے حکمراں بھی گذرے ہیں جنہوں نے اپنی انصاف پسندی اور انسانیت نوازی کا ایسا عملی ثبوت فراہم کیا جس سے ان کا نام ہمیشہ روشن رہے گا، ان حکمرانوں میں اورنگ زیب عالمگیر بھی ایک ہیں، اورنگ زیب نے ۵۱/ سال تک ہندوستان میں حکومت کی، ۱۶۵۶ء سے ۱۷۰۷ء تک کی اس طویل حکمرانی میں انہوں نے ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کو کابل سے لے کر کنیا کماری تک اور سندھ سے لے کر برما تک پھیلا دیا، ہندوستان کی پوری تاریخ میں اتنے طویل عرصہ تک اور اتنے وسیع رقبہ پر حکومت کرنے والا شاید ہی کوئی حکمراں ہوگا، اورنگ زیب کے دور میں ہندوستان اقتصادی، سیاسی اور فوجی اعتبار سے دنیا کا سپر پاور بن گیا، اس وقت دنیا کی کل جی ڈی پی کا چوتھائی حصہ ہندوستان سے پیدا ہوتا تھا، ہندوستان کی حیثیت اس وقت وہی تھی جو آج امریکہ کی ہے۔

اتنے بڑے طاقتور حکمراں کی ذاتی زندگی اتنی ہی سادہ تھی، وہ عوام کے پیسوں کو اور حکومت کے خزانے کو اپنے ذاتی خرچ میں قطعی استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ عوام کے پیسوں کو عوام کے مفاد کے لیے استعمال کرتے تھے، ہفتہ میں دو دن ٹوپیاں سی کر فروخت کرتے اور دو دن راتوں کو بھیس بدل کر مزدوری کرتے، اس سے جو رقم حاصل ہوتی اس کو اپنے ذاتی خرچ کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں استعمال کرتے تھے یہاں تک کہ کسی خاص شخص کو ہدیہ یا صدقہ بھی اسی رقم سے کرتے تھے، اس کی مثالیں تو بے شمار ہیں، البتہ تاریخ نے دو مثالوں کو محفوظ کر لیا ہے۔

ایک واقعہ دہلی کے ایک ہندو تاجر سیٹھ اتم چند سے متعلق ہے جو تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک رات کو تیز بارش ہو رہی تھی، اس بارش سے چاندنی چوک کا ایک تاجر اتم چند بہت پریشان تھا کیونکہ اس کا سارا سامان ایسے مکان میں تھا جہاں پانی ٹپکتا تھا، وہ پریشان تھا کہ کس طرح اپنے سامان کو محفوظ مقام تک منتقل کرے، اگر سامان منتقل نہیں کیا گیا تو بارش سے سارا سامان بھیگ کر ضائع ہو جائے گا، وہ خود سامان منتقل نہیں کر سکتا تھا اور رات کے وقت کسی مزدور کا ملنا بھی مشکل تھا پھر بھی وہ گھر سے باہر نکلا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ کہیں کوئی مزدور مل جائے، اچانک اس کو ایک آدمی نظر آیا، اس آدمی نے خود آ کر پوچھا کہ کیوں پریشان ہو، کسی کی تلاش ہے؟ اتم سیٹھ نے کہا کہ مجھے ایک مزدور کی تلاش ہے جو مرے سامان کو محفوظ مقام تک منتقل کر دے کیونکہ میرا سامان بھیگ رہا ہے، اس آدمی نے کہا کہ میں یہ کام کر دوں گا، بتاؤ سامان کہاں ہے اور اسے کہاں منتقل کرنا ہے؟ اتم چند خوش ہو گیا، پھر اس آدمی نے سارے سامان کو منتقل کرنے کا کام شروع کر دیا یہاں تک کہ صبح کی اذان تک سارا کام مکمل ہو گیا، تو وہ رخصت ہونا چاہا، رخصت ہوتے وقت اتم چند نے اس آدمی کو ایک چونی (چار آنہ) مزدوری دی، اس چونی کو لے کر وہ آدمی رخصت ہو گیا۔

پتہ ہے وہ آدمی کون تھا، وہ دنیا کی سپر پاور مملکت کا خود مختار بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر تھے، یہ راز شاید کبھی نہ کھل پاتا کہ وہ مزدور کون تھا؟ ایسے ہی کتنے بے شمار اورنگ زیب کی مزدوری کے دوسرے واقعات ہوئے ہوں گے جن سے دنیا واقف نہیں ہو سکی، یہ راز اس طرح کھلا کہ وہ مزدوری سے حاصل کی ہوئی چونی اورنگ زیب نے اپنے استاد حضرت ملاجیون کو ہدیہ میں دیدی جبکہ وہ اورنگ زیب کے پاس رمضان گذارنے آئے تھے، اس چونی میں ایسی برکت ہوئی کہ ملاجیون جو غریب آدمی تھے صرف دو تین سالوں کے اندر علاقہ کے مالدار ترین انسان بن گئے، ۱۵/ سال کے بعد جب اورنگ زیب کی ملاقات ملاجیون سے ہوئی تو استاد نے بتایا کہ تمہاری چونی سے اتنی برکت ہوئی کہ میں کافی مالدار آدمی بن گیا ہوں تب جا کر اورنگ زیب نے چونی کے قصہ کا راز اجاگر کرنے کیلئے سیٹھ اتم چند کو دربار میں بلایا اور اس سے ۱۵/ سال پہلے کی آمد و صرف کے حساب کتاب کی تفصیل بیان کرنے کو کہا، اتم چند نے ساری تفصیلات بیان کرنی شروع کی، بیان کرتے کرتے ایک جگہ جا کر رک گیا، اورنگ زیب نے پوچھا کہ رکے کیوں؟ تو سیٹھ نے بتایا کہ ایک چونی دی گئی تھی ایک مزدور کو لیکن مجھے نہیں معلوم وہ مزدور کون تھا؟ پھر اس نے پورا واقعہ بیان کیا اور اخیر میں یہ کہا کہ میرے پاس اس وقت صرف وہ چونی ہی تھی جو مزور کو دی اور اس سے یہ کہا کہ کل تم میرے پاس آنا، میں تمہیں کچھ پیسے اور دوں گا کیونکہ کام بہت

زیادہ ہوا ہے، یہ چونی اس کام کے حساب سے بہت کم ہے لیکن مزدور نے اس چونی کو لے کر کہا کہ بس یہی کافی ہے، میں کل تمہارے پاس نہیں آؤں گا، اتنا سننے کے بعد اورنگ زیب نے اتم چند کو رخصت کردیا اور استاد سے عرض کیا کہ یہ ہے اس چونی کا قصہ، میں نے آپ سے سیکھا ہے کہ محنت مزدوری سے کمائے ہوئے پیسے میں برکت ہوتی ہے۔

اورنگ زیب کی مزدوری کا ایک اور قصہ بھی تاریخ کے سینہ میں محفوظ ہے، وہ قصہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے اورنگ زیب کے پاس آکر یہ درخواست پیش کی کہ میری دو لڑکیاں ہیں جن کی شادی کرنے کے لیے میرے پاس کچھ پیسہ نہیں ہے، آپ کچھ مدد فرمائیں تاکہ میں ان کی شادی کرواسکوں، اورنگ زیب نے کہا کہ تم کل آؤ، مجھ سے جو ہوسکے گا تمہاری مدد کردوں گا، اس دن رات کی تاریکی چھانے کے بعد اورنگ زیب بھیس بدل کر مزدوری کی تلاش میں نکل پڑے، دیکھا کہ ایک آدمی کچھ سامان لیے ہوئے کھڑا ہے اور کسی مزدور کی تلاش میں ہے، بادشاہ وقت اس کے پاس گئے اور پوچھا کہ کیا تمہیں کسی مزدور کی تلاش ہے؟ اس نے کہا ہاں! انہوں نے اس کا سامان کندھے پر لاد کر اس کے گھر تک پہنچا دیا، مزدوری میں اس نے دو پیسے دیے، صبح کے وقت وہ ضرورت مند حاضر ہوگیا، اورنگ زیب نے اس کو وہ پیسے دینے کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ حلال کی کمائی کا پیسہ ہے، اللہ تمہارا کام پور کردے گا، وہ شخص بڑا مایوس ہوا کہ ان دو پیسوں سے اپنی دو بیٹیوں کی شادی کیسے کرواسکے گا؟ دل ہی دل میں یہ سمجھتا رہا کہ شاید بادشاہ نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے، بہرحال وہ دو پیسے لے کر چلا گیا، راستہ میں اس کو ایک انار بیچنے والا ملا، تو اس نے ان دو پیسوں سے ایک انار لے لیا، انار اس کے علاقہ میں ہوتا نہیں تھا سوچا کہ یہ انار لے کر بچوں کو کھلادیں گے، وہ گھر پہنچا ہی تھا کہ اس کو ایک اعلان سنائی دیا جو وہاں کے ایک زمیندار کی طرف سے کیا جارہا تھا کہ کوئی بھی شخص ایک انار مہیا کردے تو اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا، وہ شخص اس انار کو لے کر زمیندار کے گھر پہنچ گیا، زمیندار انار پاکر بہت خوش ہوا، انار کی ضرورت اسے اس لیے پڑی تھی کہ اس کی بیٹی سخت بیمار تھی، حکیم صاحب نے یہ بتایا تھا کہ اس وقت اس کو انار کے رس کی سخت ضرورت ہے، اس کا رس پینے سے وہ صحت یاب ہوجائیگی چنانچہ انار کا رس نکال کر اس بچی کو پلایا گیا، بچی بالکل ٹھیک ہوگئی، زمیندار نے اب اس شخص سے پوچھا کہ بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے اپنی بیٹیوں کی شادی کا تذکرہ کیا تو زمیندار نے اتنی بھاری رقم اس کو ادا کی جن سے اس کی دونوں بیٹیوں کی شادی ہوگئی، یہ تھا اورنگ زیب کی حلال کمائی کی برکت کا کرشمہ۔

اورنگ زیب صرف انسانیت نواز ہی نہیں تھے بلکہ ایک انصاف پسند حکمراں بھی تھے، ان کی انصاف پسندی کی مثالیں بہت ہیں، البتہ ایک واقعہ اتنا مشہور ہوا کہ وہ تاریخ کا حصہ بن گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ بنارس کے ایک ہندو پنڈت لالہ کاشی رام کی اکلوتی خوبصورت ترین لڑکی شکنتلا پر وہاں کا مسلمان گورنر ابراہیم خان فریفتہ ہوگیا، اس نے کاشی رام کو اپنے محل میں بلاکر یہ حکم دیا کہ اپنی لڑکی کو ایک ہفتہ کے اندر ڈولی میں لاکر میرے پاس پہنچا دو، وہ میرے محل کی زینت بنے گی، اگر نہیں پہنچائے تو انجام برا ہوگا، بیچارہ کاشی رام پریشان ہوگیا، اسے کوئی ترکیب نہیں سوجھی، وہ گھر میں کچھ بتائے بغیر خودکشی پر آمادہ ہوگیا کہ اپنی بیٹی کی بے عزتی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتا تھا، گھر والوں نے اس کو خودکشی کرنے سے روکا اور اس کے اسباب دریافت کیے تو اس نے سارا واقعہ بیان کیا، اس کی بیٹی شکنتلا کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے باپ سے کہا کہ تم گورنر کے پاس جاؤ اور اس سے ایک مہینے کی مہلت لے لو اور اس سے کہو کہ میری اکلوتی بیٹی ہے، اس کی رخصتی کے لیے کچھ اسباب وسامان تیار کرلوں تو اسے سامان و اسباب کے ساتھ تمہارے پاس پہنچا دوں گا، باپ نے جاکر مہلت لے لی اور اس کے لیے وہ تیار ہوگیا، اس کے بعد شکنتلا نے باپ سے کہا کہ میرے دو جوڑے مغل شہزادوں کے جیسے بنوا کے لادو، باپ نے شہزادوں کے جیسے لباس سلوا کر لادیے، اس نے وہ لباس پہنے اور گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوگئی، جمعہ کے دن نماز کے بعد جامع مسجد کے زینہ پر باشاہ کا عام دربار لگتا تھا جس میں لوگ اپنی شکایتیں اور ضرورتیں بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے، شکنتلا بھی دربار میں حاضر ہوئی اور اپنی باری آنے پر جب اس نے بادشاہ کے سامنے اپنی شکایت کی پرچی پیش کی تو اورنگ زیب نے اسکے چہرہ کو دیکھ کر پہنچان لیا کہ وہ ایک لڑکی ہے اور اپنا رومال اس کی طرف بڑھایا کہ اپنا چہرہ ڈھانپ لو اور ملازموں سے کہا کہ اسکو لے کر محل میں پہنچا دو، شکنتلا کی عرضی پڑھنے کے بعد اورنگ زیب آگ بگولہ ہوگئے، مجرم کو بر محل اور بر وقت پکڑنے کے لیے لڑکی سے کہا کہ جاؤ باپ سے کہو کہ مقررہ وقت پر تمہاری ڈولی سجا کر ابراہیم خان کے یہاں پہنچادے۔

لڑکی کو روانہ کرکے اورنگ زیب نے خفیہ طریقہ سے خود اسی تاریخ کو بنارس پہنچنے کی تیاری شروع کردی، کسی کو کچھ بتائے بغیر بھیس بدل کر بنارس پہنچ گئے، لڑکی کو ڈولی میں بٹھا کر ابراہیم خان کے محل میں پہنچا دیا گیا، ابراہیم خان خوشی اور مسرت

سے لوگوں میں پیسے تقسیم کرنے لگا، اورنگ زیب ایک فقیر کے لباس میں اس کے پاس پہنچے، اورنگ زیب کو دیکھتے ہی وہ پہچان گیا، اس کے اوسان خطا ہوگئے، اورنگ زیب نے اس کی گریبان پکڑ کر گرج دار آواز میں کہا کہ: ارے غدار! میں نے تجھے اسی لیے گورنر بنایا تھا کہ تو لوگوں کی عزت کے ساتھ کھلواڑ کرے گا، پھر سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس بے شرم اور ناپاک انسان کی یہ سزا ہے کہ دو ہاتھیوں سے اس کے دونوں پیروں کو باندھ دیا جائے اور پھر دونوں ہاتھیوں کو الگ الگ سمتوں پر ہانک دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس کا جسم دو حصوں میں کٹ کر الگ ہوگیا، اس کے بعد اورنگ زیب اس لڑکی کو لے کر اسکے گھر پہنچے، وہاں بنے ہوئے ایک چبوترے پر نماز ادا کی، لڑکی کے گھر میں کھانا کھایا اور پنڈت سے بتایا کہ جس دن سے میں نے یہ شکایت سنی، میں نے کھانا پینا چھوڑ دیا، میں نے طے کرلیا تھا کہ اس مجرم کو سزا دینے کے بعد ہی کھانا کھاؤں گا اور پانی پیوں گا، پنڈت بادشاہ کی اس انصاف پروری سے بہت خوش ہوا، اور اس نے اس چبوترہ کو ایک مسجد میں تبدیل کردیا جس میں اورنگ زیب نے نماز پڑھی تھی، آج بھی وہ مسجد ہے جسے دھنیرا کی مسجد یا دھر دھرہ کی مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے۔

یہ ہے اورنگ زیب کی انصاف پسندی کی اعلیٰ ترین مثال جس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں شاید ہی مل سکے، ایسے انصاف پسند اور انسانیت نواز بادشاہ کو انگریزوں نے تاریخ کی کتابوں میں اس قدر بدنام کیا ہے کہ ان کی شبیہ بگاڑ کر رکھ دی ہے، انگریزوں نے یہ حرکت کیوں کی، اس کی تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ پیش کی جائے گی۔

☆☆☆☆☆

..................بقیہ صفحہ ۱۱ ر کا

تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دوں اور سلام کروں، ادھر شراب کی حرمت نازل ہوچکی تھی۔

"اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت وغیرہ اور قرعہ کے تیر یہ سب گندی باتیں ہیں، شیطانی کام ہیں سو ان سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو، شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض واقع کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب بھی باز آؤ گے"۔

میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور میں نے یہ آیت "هَلْ اَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ" (کیا تم رک جاؤ گے) تک پڑھ کر سنادی، کہتے ہیں کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں ساغر تھا، کچھ پیا تھا اور کچھ ساغر میں بچ رہا تھا، جو شراب ہونٹوں میں پہنچ گئی تھی وہ فوراً تھوک دی گئی"۔[تفسیر ابن جریر]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اپنے نفس پر، گھر والوں اور خاندان والوں پر آپ کو ترجیح دینے کی عجیب وغریب مثال یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور فرمایا: "دیکھتے ہو تمہارے والد کیا کہتے ہیں؟" وہ بولے یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپ پر قربان وہ کیا کہتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: کہتے ہیں کہ "اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا" وہ بولے: "خدا کی قسم یا رسول اللہؐ! انہوں نے سچ کہا بخدا آپ معزز ہیں اور وہ ذلیل ہیں، یا رسول اللہؐ! آپ مدینہ تشریف لائے، اور اہل یثرب کو علم ہے کہ وہاں مجھ سے بڑھ کر اپنے باپ کا کوئی فرمانبردار نہیں، اگر اللہ و رسول کی مرضی یہ ہے کہ میں اس کا سر لے آؤں تو میں حاضر ہوں، رسول اللہؐ نے فرمایا: نہیں!"۔

جب لوگ مدینہ پہنچے تو عبداللہ بن عبداللہ بن ابی مدینہ کے دروازے پر تلوار لے کر اپنے باپ کے انتظار میں کھڑے ہوگئے جب ان کے والد آئے تو بولے:

"تم ہی کہتے تھے، اگر مدینہ واپسی ہوئی تو جو معزز ہوگا وہ ذلیل کو نکال دے گا؟ تم کو ابھی معلوم ہوجائے گا کہ معزز کون ہے،؟ خدا کی قسم! تم مدینہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی اجازت کے بغیر نہیں رہ سکتے"۔

اس نے کہا: "اے خزرج کے لوگو! دیکھو میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے، اے خزرج کے لوگو! میرا لڑکا مجھے میرے گھر سے روکتا ہے"۔

وہ بولے: "خدا کی قسم! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر مدینہ میں قدم نہیں رکھ سکتا"۔

لوگ اکٹھا ہوگئے اور ان کو سمجھایا، انہوں نے کہا: "یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا"۔

لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ کو خبر دی۔ آپؐ نے فرمایا: "جاؤ اور عبداللہ سے کہہ دو کہ آنے دو"۔

لوگ واپس آئے، انہوں نے کہا:

"ہاں اب جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت آگئی ہے، وہ مدینہ میں داخل ہوسکتا ہے"۔[تفسیر طبری] (جاری)

☆☆☆☆☆

اصلاح معاشرہ

ماہِ صفر اور توہّم پرستی

مفتی محمد وقاص رفیع

اسلام کے مضبوط عقائد اور پاکیزہ تعلیمات میں عقل اور محبت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے، ان میں سے اگر کسی ایک چیز کو بھی نکال دیا جائے تو اس کی ساری خوبی اور اس کا سارا حسن ختم ہو کر رہ جاتا ہے، عقائد و عبادات کا نظام اگر عقل سے آزاد ہو جائے تو ''توہم پرستی'' والا مذہب وجود میں آنے لگتا ہے اور عقل کو اگر آسمانی وحی پر مبنی عقائد و عبادات سے خالی کر دیا جائے تو ایسی ''مادیت پرستی'' جنم لیتی ہے جو روحانیت کے حسن اور لطف سے بالکل نابلد ہوتی ہے اور نتیجہ دونوں صورتوں میں گمراہی اور محرومی ہی نکلتا ہے، کہیں جسم کے جائز تقاضوں سے محرومی رہتی ہے تو کہیں روح کے حقیقی مطالبات سے محرومی اختیار کرنی پڑتی ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے اکثر و بیشتر لوگ علم و فضل سے ناواقف، دور بینی اور شائستگی سے دور اور تہذیب و تمدن سے یکسر عاری اور تہی دامن تھے، جہالت و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں نے ان میں بت پرستی رائج کردی تھی اور بت پرستی نے انہیں توہم پرست بنا دیا تھا جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی صحیح ہستی کا اقرار، جزاء و سزاء کا تصور اور نیک و بد اعمال پر اچھے اور برے نتیجے کا مرتب ہونا ان کے نزدیک تمسخر اور استہزاء کی باتیں بن کر رہ گئی تھیں، جہالت پرستی اور توہم پرستی نے ان کے عقائد و اعمال کو ایسا بگاڑ دیا تھا کہ عقل بھی اس پر خندہ زن تھی۔

شرک و بدعت اور کفر و ضلالت کے ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے اور آخری نبی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپ کے ذریعہ سے ان کی جہالت کے اندھیروں کو ختم فرمایا، ''توہم پرستی'' کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حقیقت شناسی کی تعلیم دی، شرک کی جگہ توحید اور بت پرستی کی جگہ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی نورانی تعلیمات عنایت فرمائیں اور عقائد و اعمال میں ان کے لیے ایسا واضح اور صاف راستہ متعین فرمایا جو ان کو جہنم کے اندھیرے اور تاریکی سے نکال کر جنت کی روشنی کی طرف لے جائے۔

لیکن آج کل مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی کمی اور یورپ و مغرب کی نت نئی تہذیب و ثقافت اور اس کا کلچر قبول کرنے کی وجہ سے ہمارے عام مسلمانوں میں کچھ ایسے خیالات نے جنم لے رکھا ہے کہ جن کا دین و شریعت اور مذہب اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں، اسی جہالت کے نتیجے میں آج بھی زمانۂ جاہلیت قبل از اسلام کے ساتھ ملتی جلتی مختلف توہم پرستیاں ''ماہِ صفر'' کے بارے میں بھی پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ بعض لوگوں اور خاص طور پر خواتین نے تو اس مہینے کا نام ہی ''تیرہ تیزی'' رکھ دیا ہے اور اس مہینے کو اپنے گمان میں ''تیزی'' کا مہینہ سمجھ لیا ہے، اس کی حتمی اور قطعی وجہ تو معلوم نہیں ہو سکی کہ اس مہنے کو ''تیرہ تیزی'' کا مہینہ کیوں کہا جاتا ہے؟ ممکن ہے کہ اس مہینہ کو ''تیرہ تیزی'' کا نام اس لیے دے دیا گیا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مرضِ وفات جو اس مہینے میں شروع ہوا تھا وہ مشہور روایات کے مطابق تیرہ (۱۳) دن تک مسلسل جاری رہا تھا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہو گیا تھا، اس سے جہلاء نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تیرہ (۱۳) دنوں میں مرض کی شدت اور تیزی کی وجہ سے یہ مہینہ سب کے حق میں شدید، بھاری اور تیز ہو گیا ہے، اگر واقعتاً یہی بات ہے تو یہ سراسر ''جہالت'' اور ''توہم پرستی'' کا شاخسانہ ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں اور ایسا عقیدہ رکھنا سخت گناہ ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس مہینے کے ابتدائی تیرہ (۱۳) روز خاص طور پر بہت زیادہ سخت اور تیز یا بھاری ہوتے ہیں، اسی وجہ سے یہ لوگ صفر کے مہینہ کی پہلی تاریخ سے لے کر تیرہ (۱۳) تاریخ تک کے دنوں کو خاص طور پر منحوس سمجھتے ہیں اور بعض جگہ اس مہینے کی تیرہ (۱۳) تاریخ کو چنے اُبال کر یا چوری بنا کر تقسیم کرتے ہیں تاکہ بلائیں ٹل جائیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان لوگوں کے ابتدائی تیرہ (۱۳) دنوں سے متعلق اس غلط خیال کی وجہ سے ہی اس مہینہ کو ''تیرہ تیزی'' کا مہینہ کہا جاتا ہو اور یہ بھی شریعت پر زیادتی ہے۔

چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: ''ماہِ صفر'' میں بیماری، نحوست اور بھوت پریت وغیرہ کا کوئی نزول نہیں ہوتا''۔ [مسلم]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''(اسلام میں نہ امراض کا) تعدیہ ہے، نہ ہامہ اور نہ صفر (کے مہینے کی نحوست) ہے''، اس پر ایک دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض

کیا: ''یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اونٹوں کی ایک جماعت کا کیا معاملہ ہے جو ریت میں اس حال میں ہوتے ہیں کہ گویا وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح بیماری سے صاف ستھرے ہیں) پھر ان کے ساتھ کوئی خارش زدہ اونٹ آملتا ہے جو اِن سب کو خارش زدہ کردیتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''(اچھا یہ بتاؤ کہ) پہلے اونٹ کو کس کے ذریعے سے خارش لگی؟''۔ (یہ سن کر وہ دیہاتی لاجواب ہوگیا)۔

[بخاری، مسلم وابوداؤد]

اسی طرح بخاری شریف میں ہے کہ ''ماہِ صفر'' میں بیماری، بدشگونی، شیطانی گرفت اور نحوست کے اثرات کوئی چیز نہیں ہیں، اور مسلم شریف میں ہے کہ بیماری، شیطانی گرفت، ستاروں کی گردش اور نحوست کا ''ماہِ صفر'' سے کوئی تعلق نہیں، ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ: ''بھوت پریت کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا ہے''۔ [مسلم]

ابن عطیہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کیا ہے کہ: ''بیماری، شیطانی گرفت اور نحوست دوسروں پر اثر انداز نہیں ہوتی اور یاد رہے کہ بیمار اونٹ دوسرے اونٹوں میں نہ جانے پائے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیمار اونٹ دوسرے اونٹوں کی تکلیف کا سبب بنتا ہے''۔ [مؤطا امام مالک]

دراصل زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا اعتقاد یہ تھا کہ متعدی مرض اور چھوت کی بیماری ہر حال میں دوسرے کو لگتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کوئی دخل نہیں ہے، یعنی وہ بذات خود بیماری کے دوسرے کی طرف متعدی ہونے کو مؤثر بالذات سمجھتے تھے اور بعض بیماریوں میں طبعی طور پر لازمی خاصیت کے قائل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باطل عقیدے کی اصلاح فرمائی۔ [فیض القدیر]

آج کل بھی بعض لوگ مختلف بیماریوں مثلاً کوڑھ، خارش، چیچک، خسرہ، گندہ ذہنی (پائیوریا) اور آشوب چشم وغیرہ کو اسی طرح (خود بخود بغیر حکم الٰہی کے لازمی طور پر) متعدی سمجھتے ہیں جو کہ باطل اور غلط عقیدہ ہے، خوب سمجھ لینا چاہیے کہ موت و زندگی، بیماری و تندرستی اور مصیبت و راحت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے، اگر ایک بیماری دس (۱۰) آدمیوں کو لگتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے لگتی ہے، بیماری میں ہرگز یہ طاقت نہیں کہ وہ بغیر حکم الٰہی کے کسی دوسرے کو لگ جائے، چنانچہ تجربہ و مشاہدہ بتلاتا ہے کہ وبائی امراض میں سبھی مبتلا نہیں ہوتے، بلکہ بہت سے لوگ وبائی بیماروں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ان سے محفوظ رہتے ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ کوئی بھی بیماری از خود کسی کو نہیں لگتی بلکہ جس وقت اور جب جس کو حق تعالیٰ شانہ چاہتے ہیں بیمار کردیتے ہیں اور جس کو نہیں چاہتے اسے بیمار نہیں کرتے، البتہ اللہ تعالیٰ نے بعض بیماریوں کے ایسے جراثیم پیدا فرمائے ہیں کہ وہ جس کو پہنچتے ہیں اس میں وہ بیماری پیدا ہوجاتی ہے اور وہ متعدی امراض کہلاتے ہیں، جب کہ یہ عقیدہ ہو کہ یہ جراثیم از خود دوسرے کی طرف متعدی و منتقل نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے ارادے سے متعدی و منتقل ہوتے ہیں تو اس صورت میں ان سے احتیاط کرنے اور بچنے میں کوئی حرج نہیں ہے، بعض احادیث میں اسی نقطہ نظر کے پیش نظر بعض بیماریوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بیماری کا تعدیہ اور ہامہ اور صفر کوئی چیز نہیں ہیں اور آپ مجذوم اور کوڑھ (Leprous) کے مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو''۔ [بخاری]

خلاصہ یہ کہ احتیاطی تدابیر اور اسباب کے درجے میں مؤثر بالذات اللہ تعالیٰ کی ذات کو سمجھتے ہوئے وبائی امراض سے حفاظت اور ان سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنے میں قطعاً کوئی حرج اور کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کے پہلے داعی

چوں کہ حضرت ابراہیمؑ اسلام کے پہلے داعی تھے، اس لیے ان کا وجود یکسر پیکر اسلام تھا اور اپنے عمل حیات کے اندر اسلام کی حقیقت کا ایک عملی نمونہ رکھتے تھے، وہ اسلام کے واعظ تھے اور واعظ کے لیے اولین شے یہ تھی کہ تعلیم کے ساتھ خود اپنی زندگی کا عملی نمونہ بھی پیش کردے اور جن حقیقتوں کی طرف دنیا کو دعوت دیتا ہے، ان کو سب سے پہلے اپنے اوپر طاری کردے، حضرت ابراہیمؑ نے ان حقائق کو اپنے اوپر طاری کیا، اس لیے کہ ان کا ہر عمل صدائے اسلام تھا اور وہی پیروان اسلام کے لیے عملی نمونہ یا ''اسوۂ حسنہ'' ہوسکتا تھا اور یہی سبب ہے کہ خدائے تعالیٰ نے ان کی زندگی کے تمام اعمال ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیے اور ان کے ذکر کو بقائے دوام عطا فرمایا۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ

پندو موعظت

بیٹے کو باپ کی نصیحت

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عبرت ونصیحت اور رشد وہدایت کی بے شمار چیزیں رکھ دی ہیں، ترغیب، تہدید، امثال اور نظائر بھی اس کے لیے پیش کردیے ہیں، اس ضمن میں بعض اہم شخصیات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، انھیں میں سے ایک شخصیت ''لقمان حکیم'' کی ہے، یہ عنقاء بن سدون کے بیٹے ہیں، سوڈان کے علاقہ ''نوبہ'' سے تعلق رکھتے تھے۔[النسبة إلى المواضع والبلدان للحميري، ص:۶۴۰]

یہ نبی نہیں تھے؛ بلکہ یہ نیکوکار، عبادت گزار اور اطاعت شعار بندہ تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دامن کو حکمت کے موتیوں سے بھر دیا تھا، قرآن مجید میں ہے: ''وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ'' [لقمان:۱۲]، یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ وہ علم ابدان اور علم ازمان کے ماہر تھے، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عمر طویل کی درخواست کی، جو بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوئی؛ حتی کہ ابوحاتم سجستانی نے حضرت خضر کے بعد دنیا کے دوسرے معمر ترین لوگوں میں ان کا شمار کیا ہے۔[المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام للدکتور جواد علی: ج۱/ص۳۱۵و۳۲۷]

حضرت لقمان نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ حکمت کے ذریعہ سے لوگوں کی رہنمائی کی، ان کی حکمت بھری باتیں تاریخ وسیر کی کتابوں میں وافر مقدار میں موجود ہیں، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس نصیحت کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی ہے، یہ دس نصیحتیں ہیں، جو بہت ہی اہم ہیں، ان میں زندگی گزارنے کے پورے طور طریقے بتلا دیے گئے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر فرد ان نصیحتوں پر عمل پیرا ہوجائے تو یہ زمین واقعی خلیفۃ اللہ کی زمین نظر آئے گی، یہ نصیحتیں عقائد کی درستگی، اصلاح عمل، اصلاح خلق اور آداب معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں، آئیے! ہم بھی ان نصیحتوں کو جانتے چلیں:

۱-''شرک مت کرو'': شرک ایک ایسا عمل ہے، جس میں ایک انسان اپنے جیسے یا اس سے بھی گری پڑی چیز کو اللہ کا درجہ دے دیتا ہے، اس کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے، زندگی وموت کا مالک قرار دیتا ہے، اولاد کی بھی خواہش اس سے کرتا ہے، یہ اپنے پیدا کرنے والے کے ساتھ بغاوت اور غداری ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر انسان اسی جرم کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اس جرم کو معاف نہیں کرے گا، ارشاد باری ہے: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کیے جانے کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کے گناہ چاہے گا، معاف کردے گا۔ [سورۃ النساء:۴۸]

یہ نصیحت عقیدہ کی درستگی سے متعلق ہے، حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ اللہ کے ساتھ شرک مت کرو، شرک ایک بڑا ظلم ہے: ''يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ'' (اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ، بلاشبہ یہ بڑا (بھاری) ظلم ہے''۔

۲-''اللہ تعالیٰ باریک بیں اور باخبر ہے'': یہ دوسری نصیحت بھی عقیدہ سے متعلق ہی ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس بات کا پختہ یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، کوئی بھی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، انسانی نظروں میں آنے والی ہو یا انسانی نظروں میں نہ آنے والی، اللہ تعالیٰ سے وہ چھپی ہوئی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے علم کا ہر چیز پر محیط ہونا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو اسی بنیادی عقیدہ کی نصیحت کی، فرمایا: ''يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَاوَاتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ'' (لقمان نے یہ بھی کہا کہ) بیٹا! اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو) یا زمین میں، اللہ اس کو قیامت کے دن لا موجود کرے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ باریک بین (اور) خبردار ہے)۔

۳-''نماز قائم کرو'': عقیدہ کی درستگی کے بعد نمبر عمل کا آتا ہے، یوں تو اعمال واجبہ بہت ہیں؛ لیکن ان میں مہتم بالشان عمل ''نماز'' ہے، قیامت کے دن حقوق اللہ میں سب سے پہلے اسی کی بابت پوچھ ہوگی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اول مايحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلاته، فإن صلحت فقد أفلح وانجح، وإن فسدت فقد خاب وخسر [سنن الترمذی، حدیث نمبر:۴۱۱] (قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے نماز کے متعلق محاسبہ ہوگا، اگر نماز ٹھیک رہی تو وہ

کامیاب ہوگا اور اگر وہ خراب رہی تو ناکام ہوگا)، نماز ایسی عظیم عبادت ہے کہ اسے کفر و اسلام کے مابین فرق کرنے والی چیز کہا گیا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: بين الكفر و الإيمان ترك الصلاة [سنن الترمذی، حدیث نمبر: ۴۱۱] (کفر اور ایمان کے درمیان (تمیز کرنے والی چیز) نماز کا چھوڑنا ہے)۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو اسی نماز کی پابندی کی نصیحت کی، فرمایا: "يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ" (اے میرے بیٹے! نماز قائم کرو)۔

۴-"بھلائی کا حکم دو": نماز ایک اہم عبادت ہے؛ لیکن یہ ایک انفرادی عمل ہے، جب کہ اسلام اجتماعی دین ہے، فردی اصلاح کے ساتھ جماعت کی اصلاح اس کے نظام کا اہم جزء ہے، اسی کے لیے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اتارے گئے، ہر نبی نے جماعت کی اصلاح کا کام بدرجۂ اتم کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اصلاح کا کام کیا اور امت کو بھی اس کا حکم فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیر امت کا لقب دیا ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امت لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتی ہے [آل عمران: ۱۱۰]، حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو اسی اجتماعی اصلاح کی نصیحت فرمائی، فرمایا: "وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ" (اور بھلائی کا حکم دو)۔

۵-"برائی سے روکو": اصلاح جس طرح بھلائی کے حکم سے ہوتی ہے، اسی طرح برائی سے روک کر بھی ہوتی ہے، جتنے بھی انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے، سبھوں نے اپنی قوم کو برائی سے روکنے کا کام کیا ہے، خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس فریضہ کو انجام دیا ہے اور امت کو بھی اسی کا حکم فرمایا ہے، فرمایا: من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، ومن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان [صحيح مسلم، حديث نمبر: ۷۸] (تم میں سے جو برائی دیکھے، اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے نہیں روک سکتا تو زبان سے روکے، اور اگر یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے)۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ لوگوں کو برائی سے روکو، فرمایا: "وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ" (اور (لوگوں کو) برائی سے روکو)۔

۶-"مصیبت پر صبر کرو": حضرت لقمان حکیم تھے، انھیں معلوم تھا کہ نیکی کا حکم اور برائی سے روکنے کا کام ہنسی مذاق اور بچوں کا کھیل نہیں ہے، اس راستہ میں جو بھی لگتا ہے، اسے تکالیف برداشت کرنی ہوتی ہے، مشقت جھیلنی ہوتی ہے، جتنے بھی لوگوں نے اس کوچہ میں قدم رکھا، ان کے پیروں میں چھالے پڑے، جنھوں نے بھی اس کام کے لیے صحرانوردی کی، آبلہ پائی سے دوچار ہونا پڑا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنی تکلیفیں دی گئیں، آخر کار وطن کو ہی چھوڑنا پڑا۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ جب جماعت کی اصلاح کے لیے قدم بڑھاؤ گے، بھلائی کا حکم دوگے اور برائیوں سے روکوگے تو تکلیفیں ہوں گی، اس سے گھبرانہ جانا؛ بل کہ صبر سے کام لینا، فرمایا: "وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ" (آنے والی مصیبت پر صبر کرو)۔

۷-"لوگوں سے منھ نہ پھیرو": عوام میں اصلاح کے لیے عوامی رابطہ بھی ضروری ہے، جب تک گھل مل نہیں جائیں گے، میل جول نہیں بڑھائیں گے، ان کی اصلاح نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ عوامی رابطہ کے ذریعہ ہی ان کی حقیقی بیماری کی جان کاری ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب تک بیماری کا پتہ نہ چلے، تب تک اصلاح کیسے کی جائے گی؟ مصلحین ڈاکٹر کی مانند ہوتے ہیں اور ڈاکٹر جب تک مریض کا چیک اپ نہیں کرلیتا، نسخہ نہیں لکھتا، اسی طرح مصلحین کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے قوم کی بیماری ڈھونڈتے ہیں، پھر اصلاح کی کوشش کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بیماری کو تلاش کرنے کے لیے رابطہ بہت ضروری ہے۔

رابطہ کی استواری کے لیے ضری ہے کہ خوش خلقی اور ملنساری کی صفت اتم درجہ میں موجود ہو، اگر کوئی بدخلق شخص رابطہ عامہ کی کوشش کرے تو یہ دشوار ترین امر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی بات کہی گئی تھی کہ اگر آپ سخت دل اور سخت مزاج ہوتے تو لوگ آپ کے اردگرد جمع نہ ہوتے، بھاگ جاتے: "لَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" [آل عمران: ۱۵۹]، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ خود خوش خلق اور ملنسار تھے؛ بلکہ لوگوں کو اسی تعلیم دیتے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تھوڑی بھلائی کو بھی کم تر نہ جانو اگرچہ وہ تھوڑی بھلائی خوش اخلاقی کے ساتھ اپنے بھائی سے ملنا ہو۔ [الجمع بين الصحيحين البخاري و مسلم، حدیث نمبر: ۳۸۳]۔

حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ لوگوں سے منھ نہ پھیرو؛ بل کہ ہر ایک سے اچھے ڈھنگ سے بات کرو کہ یہ آداب معاشرت میں سے ہے اور اصلاح عوام کے لیے ضروری ہے، فرمایا: "وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ" :(اور (ازراہِ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا)۔

۸-''زمین میں اکڑ کر مت چلو'': اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے اندر فروتنی اور عاجزی ہو، اکڑ نام کی کوئی چیز نہیں ہونی چاہیے؛ کیوں کہ اکڑ سے انسا پنپتا نہیں، ملیامیٹ ہو جاتا ہے،''گیا شیطان مارا اک سجدہ کے نہ کرنے سے، اگر لاکھوں برس سجدہ میں سر مارا تو کیا مارا''، اکڑ ابلیسی صفت ہے اور فروتنی رحمانی اوصاف میں سے ہے، خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فروتنی کے پیکر تھے، بکری کا دودھ تک دوہ لیتے تھے، فتح مکہ کے موقع سے مکہ میں داخل ہوتے وقت شاہانہ کروفر کا طریقہ نہیں اپنایا؛ بلکہ فروتنی اختیار کرتے ہوئے داخل ہوئے؛ حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھوڑی مبارک کجاوہ سے مس ہو رہی تھی۔

انسان کے اندر چوں کہ خودستائی کی بھی صفت پائی جاتی ہے، جس کے نتیجہ میں بسا اوقات وہ جب کوئی اچھا کام کرتا ہے، جب کسی پر غلبہ پاتا ہے، جب کسی سے جیت جاتا ہے تو شیطانی بہکاوے میں آکر اکڑفوں دکھانے لگتا ہے، یہ قابل مذمت ہے، حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ:

''وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ'' (زمین میں اکڑ کر مت چلو، بیشک اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا)۔

۹-''میانہ چال چلو'': آج کا زمانہ تیز گامی کا ہے، جس کسی کو بھی دیکھو تیز رفتاری کے ساتھ بھاگا جا رہا ہے، بالخصوص نوجوان بائکرس، وہ جب بائک پر سوار ہوتے ہیں تو دنیا سے لگتا ہے غافل ہو جاتے ہیں، خود بھی جان دیتے ہیں اور دوسرے کی بھی جان لیتے ہیں، تیز رفتاری کے ساتھ چلنا وقار کے خلاف ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف بھی ہوتی ہے۔

جس طرح تیز رفتاری کے ساتھ چلنے کی ممانعت آئی ہے، اسی طرح سست روی کو بھی پسند نہیں کیا گیا ہے، پسندیدہ چال میانہ روی کے ساتھ چلنا ہے، اس میں نہ کسی کو تکلیف ہوتی ہے اور نا ہی یہ وقار کے خلاف ہے، حضرت لقمان نے بھی اپنے بیٹے کو اس کی نصیحت کی کہ چال میں میانہ روی کو اختیار کرو، فرمایا: ''وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ'' (اور اپنی چال میں اعتدال کیے رہنا)۔

۱۰-''آواز پست رکھو'': چیخ پکار اور شور ہنگامہ وہ شخص کبھی پسند نہیں کرتا، جو سلیم الفطرت ہو؛ کیوں کہ فطرت کی سلامتی سکون کو پسند کرتی ہے، سکون ایک بڑی نعمت ہے، جس کی تلاش میں لوگ ہمالیہ کا سفر کرنے سے نہیں چوکتے، آج کل ہنگامہ آرائی سے تنگ آ ہوئے لوگ اسی سکون کی تلاش کے لیے صوفی ازم کا بھی رخ کر رہے ہیں، صوتی آلودگی ایک عالم گیر مسئلہ بن چکا ہے، اسی وجہ سے بلا وجہ تیز آواز کو منع کیا گیا ہے، ہاں اتنا زور سے ہو کہ مخاطب صاف طور پر سمجھ جائے۔

حضرت لقمان نے بیٹے کو یہی نصیحت کی کہ بلا وجہ آواز تیز کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، اس سے دوسروں کو تکلیف بھی ہوگی اور اس طرح کا آواز نکالنا معاشرہ کے ایک غیر پسندیدہ جانور گدھے کے مشابہ بھی ہے؛ اس لیے اس سے بچنا چاہیے، فرمایا:

''وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ'' (اور (بولتے وقت) آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہے)۔

یہ ایک باپ کی طرف سے اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتیں تھیں، جو اس قدر اہم ہیں کہ قرآن نے بھی انھیں ہمیشہ ہمیش کے لیے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے، اب ذرا ہم اپنے معاشرہ کا جائزہ لیں، کیا ہم بھی بیٹوں کو نصیحتیں کرتے ہیں؟ کیا کبھی ہم نے اپنے بچوں کو بتایا کہ عقیدہ کیا ہے؟ کیا انھیں اصلاح عمل کا طریقہ سکھایا؟ کیا اخلاقی باتیں بتائیں؟ کیا آداب معاشرت کی تعلیم دی؟ اگر یہ باتیں بتلائی ہیں تو بچے اطاعت شعار ہوں گے؛ لیکن اگر نہیں بتلائی ہیں تو پھر کچھ بھی کہنا مشکل ہے۔

آج ہماری زندگی اتنی بزی ہو چکی ہے کہ ہم بچوں سے یہ تک نہیں پوچھ پاتے کہ تمہاری تعلیم کیسی ہے؟ تمہیں کچھ پریشانی تو نہیں؟ کچھ ضرورت تو نہیں؟ چہ جائیکہ کہ انھیں نصیحتیں کریں، انھیں اخلاقی تعلیم دیں، جب بچہ اسکول جاتا ہے، اس وقت ہم خواب خرگوش میں رہتے ہیں اور جب ہم گھر واپس آتے ہیں تو بچہ خواب خرگوش میں رہتا ہے، ہفتہ میں ایک دن ملاقات ہو پاتی ہے، یاد رکھئے! بچوں کے لیے پہلا آئیڈیل ماں باپ ہوتے ہیں، جیسے ہم کریں گے، جیسا ہم سکھائیں گے، جیسی ہم تعلیم دیں گے، بچے وہی کریں گے، وہی سیکھیں گے اور وہی تعلیم پائیں گے؛ اس لیے اپنا محاسبہ کرنا ہے، جائزہ لینا ہے، اور اگر اب تک بچوں سے دور رہے ہیں تو خدارا! اب بند کیجیے، انھیں اچھی زندگی دیجیے، جب آپ کمائی اس کے لیے کر رہے ہیں تو اس کی زندگی کے بارے میں بھی سوچنا از حد ضروری ہے، پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہے، سوچئے اور عمل کیجیے۔

☆☆☆☆☆

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

● ....محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

نام کتاب: الملخص فی أصول الحدیث
مؤلف: محمد عبدالعظیم بلیاوی

جناب محمد عبدالعظیم بلیاوی کاشفی مظاہری شہرۂ آفاق دینی درس گاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے شعبۂ تخصص کے ایک سینئر استاد ہیں، عرصہ سے انہیں فن 'اصولِ حدیث' کی تدریس کا موقع دستیاب ہے، یہ تصنیف ان کی فن پر مہارت، مطالعہ کی خورد بینی اور تدریسی تجربہ کا اک جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

'الملخص فی اصول الحدیث مع تمییز اصطلاح الحنفیة من اصطلاح المحدثین' محدثِ عصر مولانا محمد عاقل صاحب شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے ''کلماتِ عالیہ'' اور ناظم جامعہ مولانا محمد سلمان مظاہری کی تقریظ کے ساتھ 'مکتبة الحرمین لنشر علوم الحدیث'، سہارنپور یوپی سے نہایت نفیس طباعت کے ساتھ منظر عام پر آچکی ہے۔

یہ تالیف طلبۂ مدارس کے لیے ایک اچھا تحفہ ہے، علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ کی جلیل الشان تصنیف 'شرح نخبة الفکر' کو جو اکثر مدارس اسلامیہ ہندو پاک میں داخلِ نصاب ہے' اس کی بنیاد بنایا گیا ہے، نخبة الفکر کے اختصار اور خلاصہ پیش کرنے کے ساتھ کتبِ اصول حدیث کی شروح میں جو اقوال کا اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے' ان میں سے راجح اور مختار قول مبتدی طلبہ کے لیے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے؛ تا کہ ان کے ذہن کو فن کے ابتدائی مرحلہ میں خلفشار و انتشار سے محفوظ رکھا جا سکے۔

اس کے علاوہ اس تالیف کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اصول حدیث کے موضوع پر لکھی گئی زیادہ تر تالیفات علماء شوافع رحمہم اللہ کی ہیں، اور ان میں حدیث کے اخذ و رد اور فرقِ مراتب قائم کرنے کے سلسلہ میں شوافع کے مسلک کے مطابق اصول وضوابط بیان کیے گئے ہیں، جس کی وجہ سے حنفی طالب علم عام طور پر فکری اضطراب کا شکار رہتا ہے، اس کاوش کے ذریعہ اس اضطراب کو دور کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

مکتبة الخیر لنشر علوم الحدیث، مکتبہ دار الایمان (سہارنپور) اور مکتبة الشباب العلمیة (لکھنؤ) سے رعایتی قیمت پر حاصل کی جا سکتی ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۲۵۹۵۵۵۵۴۵

نام کتاب: زبدة التفاسیر
تحقیق: سید محمد غفران ندوی

یہ قاضی القضاة شیخ الاسلام ابن الشیخ عبد الوہاب گجراتی متوفی ۱۰۹۰ھ کی تالیف ہے، جو کہ صوبہ گجرات کے زرخیز ومردم خیز شہر احمد آباد سے تعلق رکھتے تھے، اس شہر کے چالیس سے زائد علمی ذخائر سے بھرپور مکتبوں میں مخطوطات کا ایک گراں قدر ذخیرہ رہا ہے جو ہنوز اہلِ علم واشاعت کی نگہِ التفات کا محتاج ہے، ہمارے استاد محترم جناب مولانا عبد القادر پٹنی ندوی مظاہری نائب مہتمم و استاد حدیث دار العلوم ندوة العلماء کی نظر وہاں مذکورہ بالا کتاب کے ایک نسخہ پر پڑی اور مولانا مد ظلہ نے اس کی تحقیق کا کام دار العلوم ندوة العلماء ہی کے استاد جناب سید محمد غفران ندوی کے سپرد کیا جنہوں نے اپنی محنت اور ذوق سے اس کام کو انجام دیا، یہ کتاب خوبصورت رنگین طباعت کے ساتھ مولانا مدظلہ کے ہی قائم کردہ 'موٴسسة الحرم لاحیاء التراث الاسلامی لاہل العرب والعجم' لکھنؤ سے شائع ہو کر نذرِ اہلِ علم ہے۔

'زبدة التفاسیر للقدماء المشاهیر' کی اہم خصوصیات میں سے پہلی خصوصیت تو اس کے نام سے ہی ظاہر ہے؛ کہ قدیم مفسرین کی تفاسیر کا خلاصة الخلاصة اور لب لباب اس میں پیش کیا گیا ہے۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ بادیٔ النظر میں یہ تالیف 'تفسیرِ جلالین' کا 'توأم' معلوم ہوتی ہے، اس میں اختصار کا وہی اسلوب ہے جو تفسیر جلالین میں اختیار کیا گیا ہے، مزید برآں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تفسیر ومتن باہم مدغم کر دیے جائیں تا کہ عبارت میں تسلسل قائم ہو جائے، جس سے مطالعہ میں مزید دلجمعی اور دلچسپی پیدا ہو سکتی ہے۔

تیسری خصوصیت یہ کہی جا سکتی ہے کہ اس میں عقائد وفقہی مسائل' حنفی مسلک کی رو سے پیش کیے گئے ہیں۔

ہمارے زیر نظر یہ پہلی جلد ہے جو تحقیق کا کام مکمل ہو کر منظرِ عام پر آسکی ہے، امید ہے ان شاء اللہ جلد ہی دوسری جلد کا کام بھی مکمل ہو کر قارئین تک پہونچ سکے گا، یہ جلد سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ کہف تک کی تفسیر پر مشتمل ہے۔

مکتبہ ندویہ، ندوہ کیمپس، مکتبہ احسان مکارم نگر، مکتبة الشباب الجدیدة، ندوہ روڈ (لکھنؤ) اور

جامعۃ النور، اقبال چوک، پٹن گجرات سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۴۵۲۱۲۵۱۴۵

نام کتاب: العلامہ محمد زکریا الکاندھلوی

مؤلف: ڈاکٹر محمد اشرف علی ندوی ازہری

"المحدث الکبیر العلامۃ محمد زکریا الکاندھلوی و جھودہ فی السنۃ النبویۃ" ڈاکٹر محمد اشرف علی ندوی ازہری کا مقالہ ہے جو انہوں نے شعبۂ حدیث، جامعہ ازہر مصر سے ڈاکٹریٹ کی سند کے حصول کے لیے پیش کیا تھا، اب عمدہ طباعت کے ساتھ منظرِ عام پر ہے، یہ تحقیقی مقالہ کلیۃ اصول الدین قاہرہ کے دو ممتاز اساتذہ ڈاکٹر محمد علی فرحات اور ڈاکٹر عبدالموجود عبد اللطیف کی نگرانی میں لکھا گیا اور سابق صدر جامعہ ازہر شیخ احمد عمر ہاشم اور سابق صدر شعبۂ حدیث کلیۃ اصول الدین، اسیوط ڈاکٹر محمد محمود بکّار کے مناقشہ اور توثیق سے پاس ہوا۔

مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے احوالِ زندگی، علومِ نبویہ میں ان کی خدمات اور دعوت و اصلاح اور سیاست کے میدانوں میں ان کی کوششوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، یہ مقالہ جو تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، عربی داں حضرات کے لیے شیخ الحدیثؒ کی شخصیت سے واقفیت کا ایک بہتر ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔

مؤسسۃ الحرم، لکھنؤ سے شائع ہوا ہے، گجرات اور لکھنؤ کے دینی کتب خانوں، مکتبہ یحیویہ سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء، وقھلیہ مصر وغیرہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ہماری مطبوعات

☆عمدہ کاغذ ☆بہترین طباعت ☆خوبصورت سرورق

نمبر شمار	اسمائے کتب	قیمت
۱	زعیمان لحرکۃ الاصلاح	70/=
۲	روداد چمن	200/=
۳	الصحافۃ العربیۃ	160/=
۴	تمرین الصرف	55/=
۵	رسالۃ التوحید	60/=
۶	دیوان الحماسۃ (اول)	165/=
۷	دیوان الحماسۃ (دوم)	165/=
۸	فتاویٰ ندوۃ العلماء (اول)	350/=
۹	فتاویٰ ندوۃ العلماء (دوم)	400/=
۱۰	فتاویٰ ندوۃ العلماء (سوم)	400/=
۱۱	مختار الشعر العربی (اول)	15/=
۱۲	مختار الشعر العربی (دوم)	18/=
۱۳	العقیدۃ السنیۃ	20/=
۱۴	تاریخ الادب العربی (الاسلامی)	125/=
۱۵	تاریخ الادب العربی (الجاھلی)	70/=
۱۶	مقدمہ شیخ عبدالحق دہلویؒ	50/=
۱۷	اسلام کی تعلیم	16/=
۱۸	تفہیم المنطق	150/=
۱۹	مبادی علم اصول الفقہ	20/=
۲۰	سوانح صدر یار جنگؒ	200/=
۲۱	مختار من صفۃ الصفوۃ	150/=
۲۲	شرح العقیدۃ الطحاویۃ	55/=
۲۳	اصول الشاشی	60/=
۲۴	علم اصول الفقہ	100/=
۲۵	حیات عبدالباریؒ	150/=
۲۶	تاریخ ندوۃ العلماء (اول)	170/=
۲۷	تاریخ ندوۃ العلماء (دوم)	180/=

ملنے کے پتے:

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ	9889378176
مکتبۂ اسلام، امین آباد، گوئن روڈ، لکھنؤ	9415912042
مکتبہ الفرقان، نظیر آباد، لکھنو	9936635816
مکتبہ علمیہ، شباب مارکیٹ ندوہ روڈ، لکھنؤ	9198621671
مکتبہ طوبیٰ، ندوی منزل، ندوہ روڈ، لکھنؤ	9005505629

ایک ضروری اعلان: بعض ناشرین کتب نے مجلس صحافت ونشریات کی کتابیں غیر قانونی طور پر طبع کرالی ہیں، اس لیے قارئین سے گذارش ہے کہ مجلس کی جملہ درسی وغیر درسی کتابیں درج بالا مکتبوں ہی سے خریدیں اور بذریعۂ ڈاک بھی طلب کریں، مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ آپ کا یہ نہایت مخلصانہ تعاون ہوگا۔

ناشر:

مجلس صحافت ونشریات

ٹیگور مارگ، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: دوآدمی مل کرایک کاروبار کرتے ہیں، ان دونوں میں ایک کے پیسے ہوتے ہیں اور دوسرے محنت کرتے ہیں اور منافع آدھا آدھا بانٹتے ہیں، کیااس طرح کاروبار کرنا شرع اسلامی میں جائز ہے؟

جواب: اگرایک یااس کے زیادہ افراد سرمایہ لگائیں اوردوسرا شخص اس پر محنت کرلے اور پہلے سے یہ بات طے ہوجائے کہ جوبھی نفع حاصل ہوگا وہ نصف یاکسی اورمقررہ شرح کے مطابق تقسیم ہوجائے گا تو یہ صورت جائز ہے، اس کوشریعت اسلامی میں 'مضاربت' کہتے ہیں۔
[ہدایہ مع فتح القدیر: ج۷/ص۴۱۴]

سوال: اگرکوئی مسلمان غیرمسلم سے سرمایہ لےکر کاروبار کرے اورآپس میں یہ طے کرے کہ جوبھی نفع ہوگا، دونوں برابر برابر تقسیم کرلیں، کیاغیرمسلم کے ساتھ اس طرح معاملہ کرنا درست ہے؟

جواب: ایک شخص محنت کرے اوردوسرا سرمایہ لگائے اورنفع میں دونوں شریک ہوں، یہ معاملہ شرع اسلامی میں 'مضاربت' کامعاملہ کہلاتا ہے،اس میں مسلم وغیرمسلم کی کوئی قید نہیں بلکہ معاملہ مسلمان کے ساتھ بھی کیاجاسکتا ہے اور غیرمسلم کے ساتھ بھی، بس ضروری صرف اتنی بات ہے کہ نفع کا تناسب طے کیاجائے، نفع کی کوئی قطعی مقدار متعین نہ کی جائے، بہرحال یہ صورت شرعاً جائز ہے۔

سوال: ایک شخص نے اپنے ایک دوست کو کاروبار کے لیے ایک خاص مقدار میں رقم دی، مثلاً ایک لاکھ سرمایہ دینے والا یہ کہہ رہا ہے کہ آپ اس سے کاروبار کریں، آپ کو نفع ہویا نقصان مجھے اس سے مطلب نہیں، بس مجھے ہرماہ دس ہزار روپے بطور نفع کے دیدینا، فریق ثانی اس کے لیے تیار ہے، کیا شرع اسلامی میں نفع کی مقدار متعین کرکے کاروبار کرنا درست ہے؟

جواب: شریعت اسلامی میں سرمایہ کاری کاوہی طریقہ جائز ہے جس میں سرمایہ لگانے والے نے نفع کا تناسب طے کیا ہو نہ کہ اس کی قطعی مقدار، مثلاً یوں کہے کہ جوکچھ نفع ہوگا اس کا پچاس فیصد سرمایہ کار کودیاجائے گا یہ نہ ہوکہ دس ہزار روپے ماہانہ یا سالانہ نفع دیاجائیگا، اس طرح نقصان میں بھی دونوں تناسب کے ساتھ شریک ہوں کیونکہ اگر نفع کی ایک قطعی مقدار متعین کردی جائے یانفع کے ساتھ نقصان کے خطرے کوقبول نہ کیاجائے تو یہ صورت سود میں داخل ہے جوشرعاً جائز نہیں ہے۔

سوال: نفع ونقصان کا معاہدہ کیے بغیر دوافراد نے شرکت کی اور کاروبار میں نقصان ہوگیا، تو کیا اس نقصان میں دونوں شریک ہوں گے اورخاص کرغیر سرمایہ کار پر بھی اس کی ذمہ داری ہوگی؟

جواب: شریعت میں شرکت کا معاملہ اسی وقت معتبر ہے جب نفع ونقصان میں سرمایہ کاراور ورکنگ پارٹنر دونوں شریک ہوں، لہٰذا اگر معاملہ کرتے وقت صرف شرکت کی بات کی گئی ہو اور نفع ونقصان میں دونوں فریق کے شامل ہونے کی صراحت نہ ہوئی ہو لیکن اصول شرع کے مطابق نفع کے ساتھ نقصان میں بھی دونوں کوشریک ہونا پڑے گا، نقصان میں شرکت کی صورت یہ ہے کہ معاملہ کی مقررہ مدت میں جونفع ہوا پہلے اس سے نقصان کی تلافی کی جائے گی اورظاہر ہے کہ اس نفع میں دونوں شریک ہیں، اسی طرح نقصان کابوجھ دونوں پرآیا، پھراصل سرمایہ میں سے نقصان پوراکیاجائے گا جوسرمایہ کار کی ملکیت ہے۔[ردالمحتار: ج۶/ص۴۷۵]

سوال: آج کل گاڑی خریدنے میں گورنمنٹ کو گاڑی خریدنے کا ٹیکس بھی ادا کرنا پڑتا ہے، کیا یہ ٹیکس سود کی رقم سے ادا کیاجاسکتا ہے؟

جواب: گاڑی توعوام خرید کرتے ہیں لیکن حکومت گاڑی کے لیے بہت سی سہولتیں فراہم کرتی ہے، مفت پارکنگ کی سہولت، ٹریفک کا پورا انتظام وغیرہ، گاڑی کی خرید وفروخت پر جوٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس کوان خدمات کا معاوضہ قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے اسے ناجائز ٹیکس نہیں کہا جاسکتا ہے، اس لیے اس میں سود کی رقم دینا درست نہیں کیوں کہ اس میں سود کی رقم دینا اس سے خود فائدہ اٹھانے کے مترادف ہوگا۔

سوال: آج کل کمپنی پرانکم ٹیکس کے علاوہ سروس ٹیکس بھی عائد کیا جاتا ہے یعنی کوئی بھی کمپنی جولوگوں کوسروس فراہم کرتی ہے اس پر بھی ٹیکس عائد ہوتا ہے، کیا بینک کی سودی رقم سے اس ٹیکس کی ادائیگی درست ہوگی؟

جواب: سروس ٹیکس کی نوعیت بھی انکم ٹیکس کی ہے، اس لیے بینک انٹرسٹ کی رقم اگراس طور پر حاصل ہوکہ کسی مجبوری کے تحت رقم فکس ڈپازٹ کرانی پڑی اور سود لینے کا ارادہ نہیں تھا، عام اصول کے تحت اس پر عائد ہوگیا تو اس سے سروس ٹیکس ادا کرنا درست ہوگا۔

☆☆☆☆☆

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

نـــدوة العـلـمـــــاء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

Phone : (91-522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address : nadwa@sancharnet.in/ website : www.nadwatululam.org.

Postal Regd. No:S.S.P/LW/NP/63/2018-2020
R.N.I. No : UP.URD./2001/6017
Published on 8th and 23rd of every month
Date of Posting: 10,12 / 25,27
Posted at R.M.S. Charbagh, Lucknow-04

Fortnightly
TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Office Time :07:30 am To 01:30 pm
Website : www.tameerehayat.com
Email : tameer1963@gmail.com
info@tameerehayat.com

Vol. No. 56 Issue No.22

25 September 2019

R.K. Clinic Research CENTRE

R. K. CLINIC
& RESEARCH CENTRE
Dr. Mohammad Fahad Khan
M.D.

विशेषज्ञ पेट एवं उदर रोग, श्वास एवं चेस्ट रोग, एण्ड्रोक्रायोनोलोजी एवं मधुमेह रोग

24 HOURS EMERGENCY SERVICES AVAILABLE

G-1, Aman Apartments, Chaupatiyan, Opp. Power House, Lucknow
Ph.: 0522-2651950, 9415006983

We accept debit and credit cards from all card associations
VISA Maestro MasterCard NET BANKING
PAY ONLINE
www.tameerehayat.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*,
Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at
Azad Printing Press Mahboob Building
Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

DSGN. BY: SAAD HAMDAM (MALEGAON, M.S.) @9860448783